www.mohaddis.com

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

اگست ۲۰۰۸ء

۱۰ شرعی اور مروجہ تکافل؛ ایک تقابل
۳۱ ٹی وی اور تبلیغ اسلام
۴۹ 'دشمن' کا نام ہونا چاہئے!

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
حافظ حسن مدنی
0333-4213525

جلد ۴۰ رشمارہ ۸ —— شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ —— اگست ۲۰۰۸ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

خفیہ ایجنسیاں اور عالمی سیاست — عبدالرشید ارشد — ۲

دار الافتاء

گھریلو خادموں کے ساتھ بے پردگی — فاروق احمد حسینوی — ۷

معیشت و اقتصاد

شرعی اور مروجہ تکافل کا تقابلی جائزہ — حافظ ذوالفقار علی — ۱۰

اسلام اور مغرب

'دشمن' کا نام ہونا چاہئے — سلیم منصور خالد — ۲۹

نقد و نظر

ٹی وی اور تبلیغ اسلام؛ میڈیا دار کا فریب — زاہد صدیق مغل — ۳۶

تذکرہ و تبصرہ

ٹی وی اور تبلیغ اسلام؛ ایک تبصرہ — حافظ حسن مدنی — ۵۹

'محدث' کا تصویر نمبر؛ بعض خطوط حکیم، اثری، کاف، اُمت — ۶۷

خطبات جمعہ کا نیا مجموعہ زاد الخطیب — کامران طاہر — ۷۷

زرِ سالانہ
۲۰۰/= روپے
فی شمارہ ۲۰/= روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ
۲۰/= ڈالر
فی شمارہ ۲/= ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
☎ : 5866476
5866396
5839404
Email:
hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

'محدث' کتاب و سنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

خفیہ ایجنسیاں اور عالمی سیاست

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خفیہ فوجی ایجنسی ISI آج کل اپنے پرایوں کے تابڑتوڑ حملوں کی زد میں ہے۔ کوئی دن نہیں گزرتا، جب کوئی پھلجھڑی نہ چھوڑی گئی ہو۔ آئی ایس آئی کا وزارتِ داخلہ کے ماتحت جانا ہو، اُلٹے پاؤں اُس کی واپسی ہو یا طالبان کیساتھ 'محبت کی پینگیں' یا اس سے بھی آگے عالمی سطح پر ہونے والی ہر طرح کی دہشت گردی ہو، آئی ایس آئی کا نام سرفہرست ہے۔ طالبان سے 'رشتہ' اور عالمی دہشت گردی کے تمام تر شواہد امریکی اسٹیبلشمنٹ کے ہر ذمہ دار کے بریف کیس میں ہر لمحہ موجود رہتے ہیں جو موقعہ بہ موقعہ عالمی پریس کو فراہم کردیئے جاتے ہیں۔

امریکہ جس 'شد و مد' سے آئی ایس آئی اور دہشت گردی کا رشتہ جوڑ رہا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل میں گلی محلے میں بچوں، بڑوں کی باہم لڑائیوں میں بھی آئی ایس آئی کے ملوث ہونے کے شواہد امریکہ اور اس کے اتحادی فراہم کردیا کریں گے اور مبینہ طور پر امریکہ چونکہ سپر پاور ہے، اس لئے مستند ہے اُن کا فرمایا ہوا۔ 'ماتحت' حکمرانوں کو ماننے بلکہ ایمان لاتے ہی بنتی ہے۔ یہی وہ روّیہ ہے جو پاکستان کے عوام ایک عرصہ سے دیکھتے چلے آرہے ہیں!

امریکن CIA ہو، بھارتی RAW ہو، صہیونی MOSAD ہو یا افغانی KHAD ہو۔ یہ 'عالمی امن' کے چار ستون ہیں اور اِن کا وجود نہ ہوتا تو دنیا آج جس 'سکھ اور سکون' کا سانس لے رہی ہے، ممکن نہ ہوتا۔ پاکستان کے اندر ہونے والی دہشت گردی اگر 'کم' ہے تو اس کا سارا 'کریڈٹ' انہی چار ایجنسیوں کو جاتا ہے۔ امریکہ، بھارت، اسرائیل اور افغانستان کا کم از کم یہی موقف ہے۔ ان کی ایجنسیاں پُوتر پانی سے دھلی دھلائی ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مؤثر نیٹ ورک اگر ہے تو وہ FBI, CIA اور MOSAD کا ہے۔ دوسرے ممالک کی بھی ہوں گی، KGB بھی ہے مگر شاید ان سے کم۔ پوچھا جاسکتا ہے کہ عالمی سطح کا یہ نیٹ ورک ہے کس لئے؟ یہ صرف اور صرف اس لئے فعال ہے کہ دوسرے ممالک میں ہر قیمت پر انتشار پیدا کرکے، اسے کمزور کرکے، امریکی مفادات کی تکمیل کی جائے۔ ہم محض الزام نہیں

www.KitaboSunnat.com

دیتے، تہمت نہیں لگاتے، بطورِ دستاویزی شہادت ایک خط کا متن کویت کے مجلّہ 'الدعوۃ' کے شکریہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

منجانب: رچرڈ بی مچل (CIA، امریکہ) بنام: سربراہ خفیہ سروس، CIA مصر

''آپ کے پاس ہمارے نمائندوں اور کارندوں کی بھیجی ہوئی جو معلومات جمع ہوچکی ہیں، مصری اور اسرائیلی انٹیلی جنس کی جو رپورٹیں ہمیں ملی ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ مصر اور اسرائیل کے مابین جو سمجھوتہ ہونے والا ہے، اس کے راستے میں مزاحم ہونے والی قوت حقیقت میں اسلامی تنظیمیں ہیں۔ ان تنظیموں میں سرفہرست 'اخوان المسلمین' ہے جو مختلف شکلوں میں عرب ممالک کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی کام کررہی ہیں۔ اسرائیلی محکمہ جاسوسی نے سفارش کی ہے کہ معاہدہ پر دستخطوں سے پہلے اس پر کاری ضرب لگائی جائے..... اس سفارش پر مصری وزیراعظم نے جزوی عمل کرکے جماعۃ الھجرۃ والتکفیر پر ضرب لگائی تھی۔ ان سب باتوں کے پیش نظر اخوان سے نبٹنے کے لئے متبادل حل کے طور پر مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں:

(الف) مکمل خاتمے کے بجائے جزوی خاتمے پر اکتفا کیا جائے اور صرف اُن رہنما شخصیتوں کو ختم کیا جائے جو دوسرے ذرائع سے، جن کا ہم آگے ذکر کرنے والے ہیں، قابو میں نہ آئیں، ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان شخصیات کا خاتمہ ایسے طریقوں سے کیا جائے جو بالکل طبعی اور فطری ہوں۔'' (مثلاً جنرل ضیاء الحق کے سی ۱۳۰، اور ایئر چیف مصحف میر کے فوکر کا کریش، یا اخوان کے مرشد عام حسن البنا کا قتل وغیرہ)

(ب) جن بڑی شخصیات سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کیا جائے، اُن کے سلسلے ہم مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کرتے ہیں:

(i) جن لوگوں کو بڑے بڑے منصب دے کر ورغلایا جاسکتا ہے، اُن کو بے ضرر قسم کے بڑے بڑے اسلامی منصوبوں میں بڑے منصب دے کر اُن کی قوت کو وہیں نچوڑ دیا جائے۔

(ii) ان کی قیادتوں کو آپس میں شکوک وشبہات سے باہم ٹکرایا جائے۔ اختلافات کا بیج بوکر خلیج وسیع سے وسیع تر کی جائے تاکہ وہ باہمی سر پھٹول سے تعمیری کام نہ کرسکیں۔

(iii) مذہبی فروعی اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا جائے، 'مذہبی رسوم ورواج' کو خوب ہوا دیں تاکہ ساری صلاحیتیں اس میں کھپتی رہیں۔

www.KitaboSunnat.com

(iv) نوجوانوں کی توجہ اسلامی تعلیمات کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ ایک رو ہے جس کا مقابلہ ضروری ہے۔ خاص طور پر لڑکیاں اسلامی لباس کا التزام کررہی ہیں۔ اس کا مقابلہ ذرائع نشر واشاعت، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا اور جوابی 'ثقافتی' سرگرمیوں کے ذریعے ضروری ہے۔''

دستخط رچرڈ بی مچل

امریکی CIA کے ذمہ دار کا ہدایت نامہ آپ نے پڑھ لیا، اس میں مصر کی جگہ پاکستان پڑھ لیجئے اور ذرا توجہ سے ایک بار پھر پڑھ لیں اور پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی، دینی سیاسی جماعتوں کی تقسیم در تقسیم، باہمی چشمک، قبائل میں موجودہ شیعہ سنی فسادات کے محرکات کو سمجھنے میں آپ کو کوئی دقت نہ ہوگی۔ کیا یہ ISI کررہی ہے؟

امریکی میڈیا میں ISI اور پاکستانی طالبان کے خلاف تسلسل کے ساتھ جو کچھ شائع ہورہا ہے۔ جو 'حقائق' دنیا کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں، القاعدہ رہنماؤں کی جو ویڈیو ریکارڈنگ آئے دن سامنے لائی جارہی ہے، یہ سب کچھ FBI, CIA اور MOSAD کی فیکٹریوں میں تیار ہوتی ہیں۔ میڈیا مکمل طور پر صیہونیت کے قبضہ میں ہے۔ ملاحظہ فرمایئے امریکی اخبار نویسوں کی مجلس میں ایک امریکی ایڈیٹر جان سہونش کا اظہارِ خیال

''امریکہ میں 'خودمختار میڈیا' نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی کرے گا تو وہ شائع نہ ہوگی۔ مجھے ہر ہفتہ ۲۵ ڈالر صرف اس لئے ملتے ہیں کہ میں اپنے اخبار میں اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار نہ کروں۔ آپ سب کا یہی حال ہے۔ اگر میں اپنے پرچے میں اس کی اجازت دے دوں تو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر میری ملازمت ختم ہوجائے گی۔ ایسا بے وقوف آدمی بہت جلد سڑکوں پر دوسرا کام تلاش کرتا نظر آئے گا۔ نیویارک کے جرنلسٹ کا فرض ہے کہ وہ جھوٹ بولے، جھوٹ لکھے، خبروں کو مسخ کرے، بدزبانی کرے، قارونوں (یہودیوں) کی چاپلوسی کرے اور اپنی قوم وملک کو روٹی کی خاطر بیچ کر غلام بن کر رہے۔ ہم پس منظر میں رہنے والے اُمرا کے غلام ہیں۔ ہمارا ہنر، ہماری زندگی اور ہماری اہلیت ان لوگوں کی پراپرٹی ہے اور ہم ذہنی طوائفیں ہیں۔'' (بحوالہ 'سونے کے مالک')

بظاہر مذکورہ اقتباس من گھڑت محسوس ہوتا ہے کہ آج امریکی میڈیا پر ہر طرف سے اُنگلیاں اُٹھ رہی ہیں، امریکی اخبارات و جرائد نت نئی پھلجھڑیاں اور شوشے چھوڑ رہے ہیں۔ نت نئے 'حقائق' سامنے لائے جاتے ہیں، الزامات لگتے ہیں، تردیدیں ہوتی ہیں لیکن اس کی تہہ میں کیا

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ اس کے پیچھے نادیدہ ہاتھ کون سا ہے؟ خود اُنہی کی زبانی سنئے: یہودی پروٹوکولز کی زبانی، جو پس پردہ رہ کر یہ کھیل رہے ہیں:

''مذکورہ طرز کے طریقہ ہائے کار جو عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہوں گے مگر جو یقینی ہیں، حکومت کے حق میں رائے عامہ کو منظم اور مستحکم بنانے میں ہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق یہی طریقے حکومت کی خاص پالیسیوں پر عوام میں ہیجان انگیزی یا سکینت پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ یہ ابھی سچ، ابھی جھوٹ، چھاپنے کی ضرورت پیدا کرتے ہیں۔'' (Protocols 12:15)

'' تیسرے درجے میں اپنے صحافتی حلقوں میں ہم ایسے آزمائشی شوشے چھوڑتے رہیں گے بشرطیکہ ہم اس کی ضرورت محسوس کریں اور پھر اپنے نیم سرکاری اخبارات و رسائل کے ذریعے پوری شدت کے ساتھ ان کی تردید کریں۔'' (Protocols 12:16)

''.....ہم کسی شخص کو صحافت کے پیشہ میں آنے کی اجازت ہی اس وقت دیں گے جب ہمارے ریکارڈ میں اس کی دکھتی رگ اور کمزوریاں ہوں گی کہ ان زخموں کو ہم جب چاہیں چھیل دیں گے لہٰذا جب تک راز راز رہے گا، ملک میں صحافی عزت و وقار سے رہے گا۔'' (ایضاً: ص۱۲:۱۹)

مذکورہ چاروں اقتباسات کو یکجا کر کے آپ پڑھیں گے تو امریکہ و یورپ کے آزاد پریس کی حقیقت جاننے میں آپ کو کوئی اُلجھن محسوس نہ ہوگی۔ امریکی یورپی پریس آئے دن جو تحقیقاتی کالم، جو سروے رپورٹیں اور جو الزامات خصوصاً مسلم دنیا بشمول پاکستان پر بڑے شدومد کے ساتھ شائع کرتے ہیں، اُن کی اصلیت کی تہہ تک پہنچنا بھی مشکل نہ رہے گا۔ یہ رپورٹیں اور ہر طرح کے الزامات کہ پاکستان کی ISI فلاں دھماکے کی خالق ہے، فلاں قضیے کی 'ماں' ہے، قبائلی علاقوں سے ملا عمر، اسامہ بن لادن اور القاعدہ کی قیادت کا ہیڈکوارٹر ہے یا اسی نوع کے دیگر الزامات اسی نادیدہ قوت کے تخلیق کردہ ہیں۔ اسامہ بن لادن، ایمن ظواہری وغیرہ کی طرف سے جاری ہونے والی ویڈیو اور پینٹاگون کی 'تصدیق' کہ یہ اصل میں CIA اور موساد کے مشترکہ ہدایت کار تخلیق کرتے ہیں اور انہی کا میڈیا اسے گلوبل ولیج کے منہ میں ڈالتا ہے۔

امریکہ صدر اور اس کی اسٹیبلشمنٹ صہیونی ہاتھوں میں کھیلنے پر بوجوہ مجبور ہے۔ اسرائیل کی سرپرستی اور اسرائیل کے سرمایہ کے زور پر امریکی پالیسیاں بنتی ہیں۔ اسرائیل امریکہ و یورپ کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتا ہے، ملاحظہ کیجئے:

www.KitaboSunnat.com

''میں نے کچھ عرصہ قبل جو کچھ لکھا تھا کہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول کے دورۂ مشرقِ وسطیٰ سے اس سوال کی وضاحت ہوجائے گی کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کون کنٹرول کرتا ہے؟ امریکہ کے منتخب عوامی نمائندے یا پھر اسرائیل اور امریکہ میں موجود یہودیوں کی مضبوط مؤثر لابی؟ جواب ہمیں مل چکا ہے کہ اسرائیل ہی امریکہ اور اس کی خارجہ پالیسی کو کنٹرول کرتا ہے۔''

(Charli Raize."The End of America's Prestigue)

''مسٹر پاول کی کمزوری، ان کی اعصابی ناتوانی اور ان کی بزدلی اسرائیل وفلسطین کے درمیان ایک ایسی جنگ شروع کرنے کا سبب بن سکتی ہے جو ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ خوفناک ہوگی۔ مسٹر پاول، صدر بش اور اسرائیل وزیراعظم ایریل شیرون کے ہاتھوں امریکہ کے ساکھ اور اعتبار کا جنازہ اُٹھ چکا ہے۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ اسرائیل ہی اس خطے میں امریکہ کی خارجہ پالیسی کو کنٹرول کرتا ہے۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ اسرائیل کے نغمے الاپتا ہے۔'' (Robert Fisk, The Independent, London)

گلوبل ولیج میں جاری امریکی یورپی جارحیت کس کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے ہے؟ اوپر کے دونوں اقتباسات اس پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ اس جارحیت کے لئے اسباب و وسائل اور صہیونی قوت پس پردہ رتبے فراہم کرتی ہے۔ اس کے لئے منصوبہ بندی کرتی ہے اور پھر اس منصوبہ بندی کو عالمی سطح پر امریکی سی آئی اے، ایف بی آئی اور اسرائیلی موساد بروے کار لاتی ہے۔ ان تینوں کو موقعہ کی مناسبت سے جہاں مقامی یا نزدیکی دوسری ایجنسیوں کی ضرورت پڑتی ہے، ان کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے ساتھ ملا لیتی ہیں۔ مثلاً بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے، نیا افغانستان پاکستان کا دشمن ہے۔ CIA اور MOSAD اس دشمنی سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُنہیں استعمال کررہی ہیں کہ پاکستان کے حوالے سے ان چاروں کے مقاصد مشترک ہیں۔ اسلام کے خلاف الکفر ملة واحدة کا عملی ثبوت آج کھلی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

RAW, MOSAD, FBI, CIA اور KHAD پاکستان میں اپنے زرخرید ایجنٹوں کے ذریعے دہشت گردی کرکے طالبان اور القاعدہ کے کھاتے میں ڈال کر اُنہیں بدنام کرتے ہیں۔ یہودی کنٹرول میں میڈیا اونچے سروں میں اس کا راگ الاپتا ہے جسے عقل کے اندھے تسلیم کرلیتے ہیں۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار! (عبدالرشید ارشد)

www.KitaboSunnat.com

فتاویٰ

ترجمہ: فاروق احمد حسینوی

خادموں کے ساتھ علیحدگی رہے پردگی!

❁ **سوال:** عورت کا گھریلو ملازمین اور ڈرائیوروں کے سامنے آنا کیسا ہے اور کیا ان کو اجنبی سمجھا جائے گا۔ میری والدہ مجھے ان کے سامنے آنے سے قبل سر پر سکارف رکھنے کا کہتی ہیں، کیا ایسا کرنا دین میں جائز ہے جو ہمیں اللہ کے احکامات کی اطاعت کا حکم دیتا ہے؟

جواب: گھریلو ملازم اور ڈرائیور کا وہی حکم ہے جو باقی مردوں کا ہے۔ اگر وہ محرم نہ ہوں تو ان سے پردہ کرنا واجب ہے اور ان کے ساتھ سفر کرنا اور خلوت اختیار کرنا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے «لا یخلون رجل بامرأة فإن الشیطان ثالثهما» کہ ''کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے اس لئے کہ تیسرا ان کا شیطان ہوتا ہے۔'' (جامع ترمذی:۱۱۷۱)

یہ اور اس جیسے دیگر شرعی دلائل کا عموم اس بات پر دال ہے کہ غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا، ان کے سامنے عورت کا زیب و زینت کا اظہار کرنا حرام ہے اور ان کے سامنے پردہ کرنا واجب اور فرض ہے۔ والدہ یا کسی دوسرے کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ جل شانہ کی نافرمانی کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ (شیخ عبدالعزیز بن بازؒ)

❁ **سوال:** ہمارے گھر میں ایک مسلمان خادمہ رہتی ہے وہ دین اسلام کے تمام فرائض پورے کرتی ہے مگر اپنے بالوں کا پردہ نہیں کرتی کیا مجھے اسے پردہ کرنے کی تلقین کرنی چاہئے؟

جواب: آپ پر اسلام کی رو سے یہ فرض عائد ہے کہ آپ اس کو بالوں اور سارے جسم کو ڈھانپنے کی تلقین کریں تاکہ فتنہ اور فساد نہ پھیل جائے۔ (سعودی دائمی فتویٰ کونسل)

❁ **سوال:** کیا خادمہ پر اپنے مالک کے گھر میں اس سے پردہ کرنا واجب ہے؟

جواب: جی ہاں! خادمہ کو اپنے مالک سے پردہ کرنا واجب ہے اور شریعتِ اسلامیہ کے دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خادمہ کا اپنے مالک سے خلوت اختیار کرنا اور اس کے سامنے اپنی زیب و زینت کو ظاہر کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ پردہ نہ کرنا اور زیب و زینت کا اظہار کرنا

www.KitaboSunnat.com

فتنے کی طرف لے جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مالک سے خلوت اختیار کرنا، فتنے کو ہوا دینے اور شیطان کو خوش کرنے کے اسباب میں سے ایک ہے۔ (فتویٰ شیخ عبدالعزیز بن بازؒ)

❁ **سوال:** عورت کا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوکر آنا جانا کیسا ہے؟ کیا مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ اکیلی عورت کے ساتھ گاڑی میں سفر کرے؟

جواب: غیر محرم مرد کا اکیلی عورت کے ساتھ گاڑی میں سفر کرنا اور خلوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لا يخلونَّ رجل بامرأة إلا مع ذي محرم» (صحیح بخاری:۵۲۳۳) ''کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے مگر یہ کہ وہ اس کا محرم ہو۔''

البتہ جب ایک آدمی کے ساتھ دو عورتیں ہوں تو اس وقت کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اب خلوت باقی نہیں رہی، مگر یہ بات امن اور غیر سفر کے لیے ہے۔ (فتویٰ محمد بن صالح العثیمینؒ)

❁ **سوال:** اکیلی عورت کا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سوار ہونے کا کیا حکم ہے؟ تاکہ وہ ڈرائیور اسے شہر میں مطلوبہ مقام تک پہنچا دے۔ اور اکیلے ڈرائیور کے ساتھ ایک یا کئی عورتوں کے گروپ کی شکل میں سفر کرنا کیسا ہے؟

جواب: عورت کا بغیر محرم کے ڈرائیور کے ساتھ اس حال میں سفر کرنا کہ گاڑی میں صرف دونوں ہی ہوں، جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ خلوت کے حکم میں آتا ہے اور نبی ﷺ کا یہ صحیح ترین فرمان ہے کہ «لا يخلون رجل بأمرأة إلا ومعها ذو محرم» (مسلم:۳۲۷۲)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی بھی کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے مگر جب اس کے ساتھ محرم موجود ہو۔''

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور مقام پر یہ فرمان بھی موجود ہے:

«لا يخلونَّ رجل بأمراة فإن الشيطان ثالثهما» (جامع ترمذی:۱۱۷۱)

''کوئی آدمی بھی کسی عورت کے ساتھ خلوت اور تنہائی اختیار نہ کرے، اس لئے کہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

رہا یہ مسئلہ کہ اگر ان دونوں کے ساتھ کوئی اور مرد ہو یا زیادہ مرد ہوں یا ان کے ساتھ ایک یا زیادہ عورتیں ہوں اور ان میں کوئی فتنہ کا بھی ڈر نہ ہو تو اس صورت میں یہ خلوت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تیسرے فرد یا زیادہ افراد کا ان دونوں کے ساتھ ہونا تنہائی کو ختم کرنے کے مترادف ہے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ صورت سفر کے علاوہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ کسی عورت

www.KitaboSunnat.com

کا محرم کے علاوہ کسی اور کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے۔جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ «لا تسافر امرأة إلا مع ذي محرم»(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی:۱۰۸۶۲)

''کوئی عورت اپنے محرم کے سوا کسی کے ساتھ سفر نہ کرے۔''

اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور اس میں ہر قسم کا سفر شامل ہے خواہ فضا میں سفر کیا جائے یا خشکی پر یا سمندر میں۔اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (فتویٰ شیخ عبدالعزیز بن باز)

❁ **سوال:** کسی دوسرے ملک سے کسی مسلمان خادمہ کو بغیر محرم کے منگوانا شرع کی روشنی میں کیسا ہے؟ اکثر لوگوں کو یہ مسئلہ پیش آتا ہے اور لوگ مجبوری کا جواز بنا کر علما سے یہ فتویٰ پوچھتے پائے جاتے ہیں جبکہ شرعِ متین میں بغیر محرم کے عورت کا سفر کرنا گناہ ہے۔ تو یہ گناہ کس پر ہوگا کیا عورت پر یا خادم طلب کرنے والوں پر؟

جواب: کسی خادمہ کو بغیر محرم کے کسی دوسرے ملک سے منگوانا نبی ﷺ کی صریح نافرمانی ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ «لا تسافر امرأة إلا مع ذي محرم»

''کسی عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر محرم سفر کرے۔''(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی:۱۰۸۶۲)

لہٰذا عورت کا بغیر محرم کے کسی جگہ سے آنا فتنہ کا سبب بنتا ہے اور فتنہ کے اسباب بھی پیدا کرنا منع ہیں۔پس ہر ایسا ذریعہ اور وسیلہ جو حرام کی طرف لے جائے، وہ بھی حرام ہے۔

لوگوں کا اس مسئلہ میں تساہل برتنا بھی خود ایک مصیبت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ضرورت ہے،لیکن ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ اگر ہم خادمہ کو منگوا سکتے ہیں تاکہ ضرورت پوری ہوجائے تو پھر اس کو بغیر محرم کیوں منگواتے ہیں بلکہ اس کے محرم یا خاوند کو بھی ساتھ منگوانا چاہئے۔ایسے ہی اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ عورت کو بغیر محرم بلانے کا گناہ صرف اس خادمہ پر ہے یا منگوانے والے ادارے پر ہے جبکہ حرام کا دروازہ کھولنے کے گناہ میں مدد کرنے کی وجہ سے وہ بھی شریک ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو (المائدۃ:۲) اور خادمہ کو بغیر محرم کے منگوانا برائی کو دعوت دینے کے مترادف ہے نہ کہ اس کا انکار ہے۔علاوہ ازیں غیر مسلم خادمہ سے مسلم خواتین کا پردہ کرنا علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق واجب نہیں، اس لئے کہ وہ باقی عورتوں کی طرح ہیں۔ایسے ہی ان کے کپڑے اور برتن دھونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتویٰ شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ)

www.KitaboSunnat.com

معیشت واقتصاد

مولانا حافظ ذوالفقار علی
ابوہریرہ شریعہ کالج، لاہور

شرعی اور مروّجہ تکافل کا تقابلی جائزہ

کچھ عرصہ سے بعض مالیاتی ادارے اسلامی بینکوں کی طرز پر سود، غرر اور قمار پر مشتمل انشورنس کا متبادل نظام بڑے زور وشور سے متعارف کرا رہے ہیں جس کو 'تکافل' کا نام دیا گیا ہے۔ جو ادارہ اس کا انتظام وانصرام کرتا ہے، اس کو تکافل کمپنی کہا جاتا ہے جیسے 'پاک کویت جنرل تکافل کمپنی' یا 'پاک قطر فیملی تکافل کمپنی' وغیرہ۔ ان کمپنیوں کے بقول یہ نظام چونکہ ہر لحاظ سے شرعی اُصولوں کے عین مطابق ہے، اسلئے اس کو 'اسلامی انشورنس' بھی کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ اس کام سے ان اداروں کی غرض نفع کمانا ہے، اس لیے ہم اس کو 'تجارتی تکافل' بھی کہہ سکتے ہیں۔ تَکَافُل کا مفہوم اور شرعی تصور کیا ہے؟ شرعی اور تجارتی تکافل میں بنیادی فرق کیا ہے؟ نیز تجارتی تکافل کی شرعی اساس اور حکم کیا ہے؟ ذیل میں ان سوالوں کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

تکافل کا معنی ومفہوم

ہماری معلومات کے مطابق نہ تو قرآن وحدیث میں 'تکافل' کا لفظ آیا ہے اور نہ ہی لغت کی قدیم کتب میں یہ لفظ ملتا ہے، البتہ کتاب وسنت میں ایسے الفاظ ضرور استعمال ہوئے ہیں جن کا مادّہ وہی ہے جو تکافل کا ہے یعنی وہ الفاظ ك ف ل سے بنے ہیں۔

❁ مثلاً قرآنِ حکیم میں حضرت مریمؑ کی کفالت اور تربیت کے حوالے سے ایک جگہ

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾

(آلِ عمران:۳۷)

''پھر اس کے ربّ نے اسے قبول کیا، قبول کرنا اچھا اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔''

اور دوسری جگہ

﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ (آل عمران:۴۴)

''جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے؟''

www.KitaboSunnat.com

یعنی پہلی آیت میں لفظ کَفَّلَ 'کفیل بنایا' اور دوسری میں یَکْفُلُ 'کفالت کرے'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جب دو آدمی دیوار پھلانگ کر حضرت داؤدؑ کے کمرہ میں داخل ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا:

﴿إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ﴾ (ص:۲۳)

''بے شک یہ میرا بھائی ہے، اسکے پاس ننانوے دُنبے ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبہ ہے تو یہ کہتا ہے: وہ بھی میرے سپرد کر دے اور گفتگو میں مجھ پر غالب آجاتا ہے''

یہاں اَکْفِلْ 'سپرد کر دے' کا لفظ آیا ہے۔

❁ اسی طرح حدیث شریف میں بھی اس مادہ کے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا...» (صحیح بخاری:۵۳۰۴)

''میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے، آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی اُنگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جیسے یہ دونوں اکٹھی ہیں''

❁ البتہ لغت کی جدید کتب میں یہ لفظ زیر بحث آیا ہے۔ چنانچہ المَورد میں تکافل کا معنی Joint liability or responsibility; solidarity لکھا ہے۔

یعنی ''مشترکہ ذمہ داری یا جواب دہی؛ باہمی اتفاق؛ مقاصد اور عمل کا اتحاد''

◉ مُعجَم الطُّلاب میں ہے:

تَكَافَلَ يَتَكَا فَلُ، تكافُلاً: تَضَامَنَ/ تَبَادَلَ الضَّمَانَةَ مَعَ غَيْرِهٖ

''دوسرے کے ساتھ گارنٹی کا تبادلہ کرنا''

◉ معجَم لغة الفقهاء میں تکافل کا معنی ومفہوم یوں بیان ہوا ہے:

تبادل الإعالة والنفقة والمعونة (Solidarity) الرعاية والتحمل، ومنه تكافل المسلمين رعاية بعضهم بعضًا بالنصح والنفقة وغير ذلك

''کفالت، نفقہ اور اِعانت کا تبادلہ (انگریزی میں سولیڈیریٹی) بمعنی خیال رکھنا اور برداشت کرنا اور اسی سے تکافل المسلمین ہے۔ یعنی مسلمانوں کا ایک دوسرے کا خیر خواہی اور خرچ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ کر کے خیال رکھنا۔''

اسلام میں تکافل کی اہمیت

اگرچہ قرآن وحدیث میں لفظ تکافل ذکر نہیں ہوا مگر ایک دوسرے کی ضرورتوں کا خیال رکھنا، خیر خواہی اور تعاون کرنا دین کا اہم مطالبہ ہے۔

◉ سید قطب شہیدؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بلا شبہ اجتماعی تکافل ہی اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی جماعت پابند ہے کہ وہ اپنے کمزوروں کے مفادات کا خیال رکھے۔'' (فی ظلال القرآن: ۲۱۲/۱)

◉ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اسلام کا مکمل نظام تکافل کی بنیاد پر قائم ہے۔'' (۴۳۳/۳)

◉ ذیل میں اس موضوع کی بعض آیات اور احادیثِ نبویہ ملاحظہ ہوں:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ:۷۱)

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے اور برے کام سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔''

یعنی اہل ایمان کا شعار یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔

◉ تکافل کی روح بھی یہی ہے۔ علامہ محمد رشید رضاؒ لکھتے ہیں کہ

''اس آیت میں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی جس دوستی کا ذکر ہے وہ نصرت، اُخوت اور محبت سب دوستیوں کو شامل ہے۔'' (تفسیر المنار: ۴۷۰/۱۰)

◉ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، اچانک ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا یعنی اپنی ضرورت کی چیز تلاش کرنے لگا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

www.KitaboSunnat.com

«مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ زَادَ لَهُ» (صحیح مسلم:۱۷۲۸)

''جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد راشن ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس راشن نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے مال کی جو اَصناف ذکر کیں، سو کیں؛ یہاں تک کہ ہم نے یہ سمجھا کہ زائد مال میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں ہے۔''

اسلام کہتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کو تکلیف ہو تو دنیا بھر کے مسلمان اس وقت تک بے چین رہیں جب تک اس کی تکلیف رفع نہ ہو جائے۔

◉ آپ ﷺ نے بڑی عمدہ مثال بیان کر کے اس کو یوں سمجھایا:

«تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى» (صحیح بخاری:۶۰۱۱)

''تو مسلمانوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت رکھنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا۔ اگر ایک عضو بیمار ہو جاتا ہے تو جسم کے تمام اعضا بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔''

◉ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ یہ قحط ختم نہ کرتے تو

مَا تَركتُ أَهل بَيتٍ مِن المُسلمين لَهم سِعةً إِلا أَدخلتُ مَعهم أَعدادَهُم مِن الفُقراء (الأدب المفرد: باب المؤاساة في السَّنَة والمَجاعة،رقم:۵۶۲)

''میں ہر صاحبِ حیثیت مسلمان گھرانے میں اتنے ہی غربا داخل کر دیتا۔''

یعنی ایک امیر خاندان میں جتنے افراد ہوتے اتنے ہی غربا کی کفالت ان پر لازم ہوتی۔

اسلامی تکافل کی ہمہ گیریت

اسلام کا نظامِ تکافل اسلامی اُخوت، معاشی احتیاج وضرورت اور تکریم انسانیت پر استوار ہے۔ اسلام اس سوچ کا قطعاً حامی نہیں کہ ہم پر صرف ان مستحقین کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہمارے ہم عقیدہ ہوں۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے حسن سلوک کرنے اور ان کے حق میں انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی بابت نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (الممتحنہ:۸)

◉ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ» (صحیح بخاری:۲۴۶۶)

''ہر جاندار میں ثواب ہے۔''

یعنی ہر جاندار کے ساتھ احسان کرنا باعثِ ثواب ہے۔

فقہا کی رائے میں جو اہل ذمہ اپنے معاش کے حصول سے عاجز ہو جائیں گے ان کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائے گا۔ امام ابن قیمؒ رقم طراز ہیں:

''حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے ایک ذمی بوڑھے کو دروازوں پر مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کر دیا اور عمر بن عبدالعزیز نے بھی ایسا کیا تھا۔'' [أحكام أهل الذمة، باب من لا يقدر من أهل الذمة أعطي من بيت المال]

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ سے کہا تھا کہ

''تم میں سے جو بوڑھا ہو جائے گا یا جس پر کوئی آفت آجائے گی یا جو مال دار رہنے کے بعد غریب ہو جائے گا، وہ جب تک دار الاسلام میں رہے گا، اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی کفالت بیت المال کرے گا۔'' (کتاب الخراج از قاضی ابو یوسف)

ثابت ہوا اسلام کے نظامِ تکافل کا فیض انتہائی وسیع ہے جس سے اسلامی ریاست کا ہر مستحق شہری بلاتخصیص عقیدہ بقدرِ ضرورت مستفید ہوتا ہے۔

تکافل کی مختلف صورتیں

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق درجاتِ معیشت میں تفاوت اپنی جگہ مگر اس طرح سادہ زندگی گزارنے کا حق سب کو یکساں حاصل ہے کہ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے زکوٰۃ، عشر اور صدقہ فطر وغیرہ کا نظام دیا گیا ہے۔ اور معاشرہ میں دولت کو زیر گردش لانے اور غربا کی بہبود میں زکوٰۃ کا کردار بڑا نمایاں ہے۔ سید قطب شہیدؒ

www.KitaboSunnat.com

لکھتے ہیں:

إن الزكاة فرع من فروع نظام التكافل الاجتماعي في الإسلام

(فی ظلال القرآن:۴/۴۱)

''زکوٰۃ اسلام میں تکافل اجتماعی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔''

رمضان المبارک کے اختتام پر صدقہ فطر بھی تکافل اجتماعی کی ایک شکل ہے تاکہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر شخص فقراء ومساکین کی دیکھ بھال میں حصہ دار بنے۔ ایسے ہی مال داروں کو فقیر عزیز واَقارب کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ٹھہرانا بھی تکافل میں شامل ہے جبکہ نفلی صدقات اور ہنگامی حالات میں اِنفاق کا حکم اس سے الگ ہے۔ اسی طرح غیر ارادی طور پر قتل ہوجانے کی صورت میں دیت تنہا قاتل پر ڈالنے کی بجائے عاقلہ (قاتل کے بھائی، چچا اور ان کی اولاد) کو شریک کرنے کا حکم تکافل کی ہی عکاسی کرتا ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْمَعْنٰى فِي ذٰلِكَ أَنَّ جِنَايَاتِ الْخَطَأِ تَكْثُرُ وَدِيَةَ الآدَمِيِّ كَثِيرَةٌ، فَإِيجَابُهَا عَلَى الْجَانِي فِي مَالِهِ يُجْحِفُ بِهِ، فَاقْتَضَتْ الْحِكْمَةُ إِيجَابَهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ عَلَى سَبِيلِ الْمُوَاسَاةِ لِلْقَاتِلِ وَالإِعَانَةِ لَهُ تَخْفِيفًا عَنْهُ (المغنی:۱۲/۲۱)

''اس میں حکمت یہ ہے کہ غیر ارادی طور پر ہونے والے جرائم بکثرت ہوتے ہیں اور آدمی کی دیت بھی کافی زیادہ ہے۔ لہٰذا اس کو اکیلے خطا کار کے مال میں واجب قرار دینا اس پر اس کے مال میں ناقابل برداشت ذمہ داری ڈالنے کا باعث ہے۔ چنانچہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بطورِ ہمدردی اور اعانت اس کی دیت عاقلہ پر واجب قرار دی جائے۔''

بلکہ غیر ارادی قتل میں دیت کا حکم بذاتِ خود تکافل کی ایک صورت ہے اور وہ یوں کہ بعض دفعہ مقتول کے بچے کمسن ہوتے ہیں جن کی تعلیم وتربیت کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے تو گویا اسلام نے دیت مقرر کرکے ان کی کفالت کا انتظام کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے تکافل کا ایک مضبوط نظام دیا ہے، اگر اس پر عمل ہوجائے تو تمام محتاجوں کی معاشی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ اگر ضرورت پوری نہ ہو تو غنی مسلمانوں پر مزید خرچ کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تکافل کی خصوصیت

اسلامی تکافل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بنیادی مقصد اپنے مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی ہرگز نہیں۔ اور نہ ہی اس کو بطورِ کاروبار اختیار کیا جاتا ہے بلکہ اسلامی معاشرے کا یہ شعار ہونا چاہیے کہ اس کے تمام افراد باہم مددگار ومعاون ہوں اور ضرورت مندوں اور مجبوروں کی مدد کریں، لیکن اگر کچھ ادارے تکافل کے نام سے یہ مطالبہ کریں کہ ہم آپ کے بیوی بچوں کی مدد تب کریں گے جب آپ اتنے سالوں تک ہر ماہ ایک متعین رقم ہمیں وکالۃ یا مضاربۃ کی بنیاد پر کاروبار اور وقف فنڈ میں بطور چندہ دیں گئے تو اس سے اسلام کے تکافل اجتماعی کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

مروجہ تکافل اور اس کا طریقہ کار

ماضی قریب میں تکافل کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے جس کا مقصد دوسروں کے ساتھ تعاون کی بجائے دراصل اپنے نقصان کا اِزالہ ہوتا ہے اور اس کے منتظم بھی یہ کام بطورِ کاروبار کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ

- سب سے پہلے کچھ لوگ یا مالیاتی ادارے مل کر ایک کمپنی قائم کرتے ہیں جس کو تکافل کمپنی کہا جاتا ہے۔ اس کمپنی کے اداشدہ سرمایہ کا ایک حصہ وقف کر کے ایک پول بنایا جاتا ہے یہ پول کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اپنا الگ قانونی وجود رکھتا ہے جبکہ کمپنی کی طرف سے پول میں ڈالی گئی رقم ان متاثرین کے لیے وقف ہوتی ہے جو پالیسی حاصل کرتے ہیں۔
- کمپنی مالکان وقف کی اس رقم کو وقف کے ایجنٹ (وکالہ) کی حیثیت سے یا مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار میں لگاتے ہیں۔ نفع سے (وکالہ کی شکل میں) اپنی فیس یا (مضاربہ کی شکل میں) اپنا حصہ الگ کر کے نفع میں حاصل شدہ باقی رقم دوبارہ وقف پول میں ہی جمع کر دیا جاتا ہے۔
- کمپنی لوگوں کو پالیسی حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور جو لوگ پالیسی حاصل کرتے ہیں، وہ اس کے ممبران شمار ہوتے ہیں۔
- پالیسی حاصل کرتے وقت خواہش مند اپنی اَغراض پیش نظر رکھتے ہیں۔ کسی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میری موت کے بعد میرے بچوں کی کفالت کے لیے ان کے پاس بیس لاکھ

www.KitaboSunnat.com

ہونا چاہے اور کسی کے پیش نظر کسی اور قسم کے متوقع نقصان کا اِزالہ کرنا ہوتا ہے۔

- صرف وہی لوگ پالیسی حاصل کرنے کے اہل شمار ہوتے ہیں جو عمر وصحت اور آمدن کے لحاظ سے کمپنی کے معیار پر پورا اُترتے ہیں۔ باقاعدہ طبی معائنہ کے ذریعہ ایک اندازہ کیا جاتا ہے۔ اگر کسی چیز کے متوقع نقصان کی تلافی مقصود ہو تو اس چیز کی حالت بھی دیکھی جاتی ہے۔
- پالیسی کی زیادہ سے زیادہ مالیت کیا ہوگی یہ فیصلہ خواہشمند نے خود کرنا ہوتا ہے جبکہ کم از کم مالیت تکافل کمپنی خود طے کرتی ہے۔
- ایسے ہی پالیسی کی زیادہ سے زیادہ مدت کمپنی طے کرتی ہے، البتہ کم سے کم مدت کا تعین وہ شخص خود بھی کرسکتا ہے۔ یاد رہے کمپنی کی جانب سے پالیسی ہولڈر کو دی جانے والی رقم کا انحصار انہی دو باتوں پر ہوتا ہے۔
- چونکہ تکافل فنڈ کا انتظام و انصرام کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے، اس لئے کمپنی اس کی باقاعدہ الگ سے فیس لیتی ہے جس کو 'وکالہ فیس' کہا جاتا ہے۔
- پالیسی کی رقم عموماً سالانہ اقساط میں جمع کروائی جاتی ہے جبکہ ششماہی یا سہ ماہی اقساط میں بھی جمع کروائی جاسکتی ہے۔
- پالیسی ہولڈر کی قسط سے سب سے پہلے ایلوکیشن فیس منہا کی جاتی ہے۔ یہ فیس پالیسی کی مالیت اور مدت کو مدنظر رکھ کر لی جاتی ہے۔ پہلی قسط سے ایک خطیر رقم اس مد میں چلی جاتی ہے۔ مثلاً اگر پالیسی کی مدت ۲۰ سال یا اس سے زیادہ ہو اور قسط پندرہ سے پچیس ہزار تک ہو تو پاک قطر فیملی تکافل پہلی سالانہ قسط سے ۸۰ فیصد، دوسری سے ۲۰، تیسری سے ۱۰، چوتھی سے ۷، پانچویں سے بھی ۷ اور چھٹی سے لے کر دسویں قسط تک تین فیصد وصول کرتی ہے۔
- ایلوکیشن فیس کے بعد ہر قسط کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک حصہ انوسٹمنٹ (بصورتِ مضاربت) یا فیس کے طور پر (بصورتِ وکالہ) اور دوسرا حصہ وقف پول کے لئے۔
- جو حصہ انوسٹمنٹ کے لئے ہوتا ہے، اس سے دو قسم کی فیس کاٹی جاتی ہے:

www.KitaboSunnat.com

i) ایڈمن فیس: یہ ماہانہ بنیادوں لیکن پالیسی کی مالیت اور مدت کے اعتبار سے مختلف مگر فکسڈ ہوتی ہے۔ مثلاً پاک قطر فیملی تکافل کی کم از کم فیس ۶۵ روپے اور زیادہ سے زیادہ ایک سو دس روپے ماہانہ ہے۔ اس میں سالانہ آٹھ فیصد اضافہ بھی ہوتا ہے۔

ii) مینجمنٹ انوسٹمنٹ فیس: پاک قطر فیملی تکافل کمپنی کی تقریباً ڈیڑھ فیصد ہے۔

- جنرل تکافل میں مکمل قسط وقف پول میں جمع ہوتی ہے۔ کمپنی وقف کو منظم کرنے اور اس کے سرمایہ سے کاروبار کرنے کی علیحدہ علیحدہ فیس لیتی ہے۔
- ہر تکافل کمپنی کا ایک دوسری کمپنی جس کو ری تکافل کہا جاتا ہے، سے معاہدہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ تکافل کمپنی پالیسی ہولڈر کی قسط کا کچھ حصہ ری تکافل کمپنی کو بھی دیتی ہے۔
- جو حصہ وقف پول میں جمع ہوتا ہے، وہ پالیسی ہولڈرز کی ملکیت سے نکل کر وقف کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ تاہم تجارتی تکافل کے حامیوں کے مطابق وہ خود بخود وقف نہیں ہوگا بلکہ صرف وقف کی ملکیت ہوگا جو وقف کے مصالح اور ان لوگوں پر خرچ ہوگا جو وقف کی مد میں شامل ہوں گے۔ ملاحظہ ہو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا مقالہ تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف والحاجة الداعية إليه (ص:۱۸تا۲۰)
- کمپنی ان دونوں کھاتوں میں جمع شدہ رقم سے پالیسی ہولڈرز اور وقف پول کے ایجنٹ کی حیثیت سے کاروبار کرتی ہے جو نفع ہو، وہ وقف پول اور پالیسی ہولڈرز کے کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے جبکہ وقف پول کا مکمل نفع وقف پول میں ہی جاتا ہے۔
- کلیمز کی ادائیگی میں عموماً سرمایہ دارانہ انشورنس کی شرطوں کو ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر کلیمز زیادہ ہونے کی وجہ سے وقف پول میں رقم کم پڑ جائے تو قانوناً کمپنی اس بات کی پابند ہوتی ہے کہ وہ قرضِ حسنہ لے کر باقی کلیمز ادا کرے۔ البتہ یہ قرض خود کمپنی ہی وقف پول کو دیتی ہے جو اس نے آئندہ سرپلس سے وصول پانا ہوتا ہے۔
- اگر پالیسی ہولڈر بیماری یا حادثے کی وجہ سے قسط ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو وہ کمپنی ادا کرتی ہے بشرطیکہ شروع میں یہ فیصلہ کر لیا جائے کیونکہ اس کے لیے اضافی رقم ادا کرنا لازم ہوتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مروّجہ تکافل کی قسمیں

بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فیملی تکافل ۲۔ جنرل تکافل

فیملی تکافل: کی اصطلاح لائف انشورنس کے متبادل استعمال ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پالیسی ہولڈر کی ہر قسط کا کچھ انوسٹمنٹ کھاتے میں جاتا ہے اور کچھ حصہ وقف پول میں۔ یہاں کمپنی دو قسم کی الگ الگ ایجنسی فیس وصول کرتی ہے، ایک وقف پول کا منتظم ہونے کی حیثیت سے یہ وقف پول سے لی جاتی ہے اور دوسری پالیسی ہولڈر کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ پالیسی ہولڈر کے کھاتے سے کاٹی جاتی ہے۔

اب اگر پالیسی ہولڈر متعینہ مدت سے پہلے فوت ہو جائے تو کمپنی اس کے ورثا کو ایک تو انوسٹمنٹ اکاؤنٹ میں سے پالیسی حاصل کرنے کی ابتدا سے لے کر فوت ہونے تک جمع کرائی گئی رقم مع اس نفع کے جو سرمایہ کاری سے حاصل ہوا، ادا کرے گی۔ اور دوسرا فوت ہونے کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کے ذمہ جو اقساط رہ گئی ہیں، وہ وقف پول سے ادا کرے گی۔ اور اگر پالیسی ہولڈر متعینہ مدت تک زندہ رہے تو پھر اس کو حسبِ ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

- 'انوسٹمنٹ کھاتے' میں جمع شدہ رقم مع اس نفع کے جو اس دوران سرمایہ کاری سے حاصل ہوا۔
- وقف میں دیے گئے عطیہ کے تناسب سے حصہ بشرط کہ وقف پول میں سرپلس ہو۔

لیکن اگر کوئی شخص مدت مکمل ہونے سے قبل پالیسی سے نکلنا چاہے تو وہ صرف اپنی انوسٹمنٹ کھاتے میں موجود رقم اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کا حق رکھتا ہے، وقف پول میں دی گئی رقم پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

جنرل تکافل: یہ اصطلاح جنرل انشورنس کی جگہ بولی جاتی ہے۔ یعنی ممکنہ خطرات سے تحفظ کی پالیسی۔ اس میں قسط کی پوری رقم وقف پول میں جاتی ہے اور اگر دورانِ مدت وہ نقصان ہو جائے جس کی تلافی کے لیے پالیسی لی گئی ہے تو اِزالہ کر دیا جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس کی طرح پالیسی ہولڈر کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ کمپنی اپنی صواب دید پر کچھ بونس دے سکتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

کیا مروّجہ تکافل سود اور غرر سے پاک ہے؟

کمرشل انشورنس کو جن خرابیوں کی بنیاد پر حرام قرار دیا گیا ہے، ان میں سرفہرست سود اور غرر (Uncertainty) ہے۔ بادیٔ النظر میں یہ دونوں خرابیاں یہاں بھی پائی جاتیں ہیں۔ وہ یوں کہ اگر پالیسی ہولڈر مدت پوری ہونے سے پہلے فوت ہوجائے تو اس کو پالیسی کے تحت طے شدہ رقم دی جاتی ہے جس کا ایک حصہ اس نے ادا ہی نہیں کیا ہوتا۔

اور کمپنی قانونی طور پر اس کی پابند بھی ہوتی ہے۔ جبکہ غرر اس طرح کہ دونوں احتمال ہیں، ممکن ہے جس نقصان کے ازالہ کے لیے پالیسی لی گئی ہے وہ پیش نہ آئے اور ادا کی ہوئی رقم رائیگاں جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پیش آجائے اور کمپنی کے ذمہ ادائیگی لازم ہوجائے۔

کیا یہ عقد معاوضہ نہیں؟

تجارتی تکافل کے حامی کہتے ہیں کہ اضافہ اور غرر تب ممنوع ہے جب عقد معاوضہ (لین دین کی وہ صورت جس میں ایک فریق دوسرے سے معاوضہ لینے کا حق رکھتا ہے) میں ہو جبکہ یہ عقد تَبَرُّع (Donation/صدقہ) ہے، لیکن یہ توجیہ درست نہیں۔ کیونکہ پالیسی ہولڈر کو حاصل ہونے والے فوائد کا انحصار پالیسی مالیت کی کمی بیشی پر ہوتا ہے یعنی پریمیم کم تو فائدہ بھی کم اور پریمیم زیادہ تو فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور یہ سب کچھ باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت ہوتا ہے جس کی پابندی فریقین کے لیے لازمی ہوتی ہے اور اس کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے حتی کہ اگر کلیمز کی ادائیگی کے لیے رقم موجود نہ ہو تو (نام نہاد) وقف قرض لے کر یہ ادائیگی ممکن بناتا ہے، ایسی صورت میں اس کو عقد تبرع قرار دینا ناقابل فہم ہے۔

نیز اس پر تَبَرُّع کی تعریف بھی صادق نہیں آتی، کیونکہ تبرع کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز اس طرح دی جائے کہ معاوضے کی خواہش نہ رکھی جائے جبکہ یہاں تو محرک ہی یہ ہے کہ مجھے اس کے عوض یہ فوائد حاصل ہوں گے۔

ایک تاویل کا جواب

مروّجہ تکافل کے بعض حامی اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ پالیسی ہولڈر یہ فوائد دیئے گئے

www.KitaboSunnat.com

عطیات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ وقف کے قواعد وضوابط کے تحت حاصل کرتا ہے یعنی وہ یہ نہیں کہتا چونکہ میں نے وقف کو اتنا چندہ دیا ہے، اس لیے میں ان فوائد کا حق رکھتا ہوں بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ان قواعد کی بنیاد پر مجھے یہ فوائد حاصل ہونے چاہیے۔ یہ قانونی حق اس کو عقدِ معاوضہ میں داخل نہیں کرتا..... مگر دو وجوہ کے باعث یہ تاویل بیتِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے:

① ایک تو اس لیے کہ پالیسی ہولڈر کو قواعد وضوابط کے تحت دعوی کرنے کا حق بھی تو دی گئی رقم کے بدلے ہی حاصل ہوا ہے۔ اب آپ قواعد وضوابط کا نام لیں یا پریمیم کی کمی بیشی کا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

② دوسرا اس لیے کہ پالیسی ہولڈر کی نظر تو ان فوائد پر ہوتی ہے جو اس کو مستقبل میں اس کے بدلہ میں حاصل ہونا ہوتے ہیں، وہ قواعد وضوابط کے تحت حاصل ہوں یا دی گئی رقم کے عوض، اس کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت پالیسی حاصل کرتے وقت فوائد کے متعلق تو پوچھتی ہے مگر وقف کے قواعد وضوابط کے بارے میں سوال نہیں کرتی۔

ایک مجلس میں جب راقم نے ایک مشہور تکافل کمپنی کے سنیئر کنسلٹنٹ سے پوچھا کہ کیا آپ پالیسی حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو قواعد وضوابط سے آگاہ کرتے ہیں، تو اُنہوں نے صاف کہا کہ لوگ ہم سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ ہمیں کیا ملے گا، قواعد وضوابط کے متعلق کبھی سوال نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن خرابیوں کی بنا پر روایتی انشورنس حرام ہیں تکافل ان سے پاک نہیں۔

کیا نقدی کو وقف کیا جاسکتا ہے؟

یہاں یہ بحث بھی بڑی اہم ہے کہ روپیہ پیسہ وقف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ تکافل کمپنی کی پوری عمارت اس پر استوار ہے، لہٰذا ہم اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

اکثر فقہا اور اہل علم کی رائے میں روپے پیسے اور درہم ودینار کا وقف ہی درست وجائز نہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے:

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ كُلُّ مَا أَمْكَنَ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ يَجُوزُ

www.KitaboSunnat.com

وَقْفُهُ وَهَذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَأَحْمَدَ أَيْضًا وَأَمَّا وَقْفُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إِلَّا بِالإِتْلَافِ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْمَأْكُولِ وَالْمَشْرُوبِ فَغَيْرُ جَائِزٍ فِي قَوْلِ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُرَادُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ: الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ وَمَالَيْسَ بِحُلِيٍّ

''امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو اور اس کی بیع بھی جائز ہو تو اس کا وقف درست ہے، یہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی قول ہے۔ رہا اس چیز کا وقف جس کو صرف کیے بغیر اس سے استفادہ ممکن نہ ہو جیسے سونا، چاندی اور کھانے پینے کی اشیا وغیرہ تو عام فقہا کے نقطہ نظر سے ایسا وقف جائز نہیں ہے۔ سونے اور چاندی سے مراد درہم، دینار اور وہ سونا ہے جو زیور کی شکل میں نہ ہو۔''

شارحِ بخاری علامہ ابن بطالؒ لکھتے ہیں:

قال أبوحنيفة وأبويوسف لا يجوز وقف الحيوان والعروض والدنانير والدراهم (شرح صحیح بخاری:۱۹۸/۸)

''امام ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جانور، سامان اور درہم و دینار کا وقف جائز نہیں۔''

مشہور حنفی عالم علامہ انور شاہ کاشمیریؒ لکھتے ہیں:

واعلم أن وقف المنقول لا يصح على أصل المذهب وأجازه محمد فيما تعارفه الناس (فیض الباری:۴۱۶/۳)

''جان لو! اصل (حنفی) مذہب میں اشیائے منقولہ کا وقف صحیح نہیں ہے۔ مگر امام محمدؒ نے ان چیزوں میں اس کی اجازت دی ہے جو لوگوں میں معروف ہو جائیں۔''

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ رقم طراز ہیں:

وَجُمْلَتُهُ أَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ الانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ عَيْنِهِ كَالدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ وَالْمَطْعُومِ وَالْمَشْرُوبِ وَالشَّمْعِ وَأَشْبَاهِهِ لَا يَصِحُّ وَقْفُهُ، فِي قَوْلِ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ، إِلَّا شَيْئًا يُحْكَى عَنْ مَالِكٍ وَالْأَوْزَاعِيِّ فِي وَقْفِ الطَّعَامِ أَنَّهُ يَجُوزُ وَلَمْ يَحْكِهِ أَصْحَابُ مَالِكٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ؛ لِأَنَّ الْوَقْفَ تَحْبِيسُ الْأَصْلِ وَتَسْبِيلُ الثَّمَرَةِ، وَمَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إِلَّا بِالإِتْلَافِ لَا يَصِحُّ فِيهِ ذَلِكَ (المغنی:۲۲۹/۸)

''خلاصہ یہ کہ جس چیز کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ اُٹھانا ممکن نہ ہو جیسے درہم و دینار، کھانا،

www.KitaboSunnat.com

مشروب، شمع اور اس جیسی دوسری اشیا وغیرہ تو عام فقہا اور اہل علم کے نزدیک ان کا وقف درست نہیں ہے۔ البتہ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ سے کھانے کے وقف کے متعلق مروی ہے کہ یہ جائز ہے.....اس بات کو امام مالک کے شاگردوں نے بیان نہیں کیا.....لیکن یہ موقف درست نہیں، کیونکہ وقف کا مطلب ہے: ''اصل کو باقی رکھنا اور اس کے فائدہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کرنا'' اور جس کو تلف کیے بغیر اس سے فائدہ لینا ممکن نہ ہو، اس میں وقف صحیح نہیں ہوتا۔''

مزید لکھتے ہیں:

وَجُمْلَةُ ذٰلِكَ أَنَّ الَّذِي يَجُوزُ وَقْفُهُ مَا جَازَ بَيْعُهُ، وَجَازَ الانْتِفَاعُ بِهٖ مَعَ بَقَاءِ عَيْنِهٖ، وَكَانَ أَصْلًا يَبْقٰى بَقَاءً مُتَّصِلًا كَالْعَقَارِ وَالْحَيَوَانَاتِ وَالسِّلَاحِ وَالْأَثَاثِ وَأَشْبَاهِ ذٰلِكَ (المغنی: ۲۳۱/۸)

''وقف اسی کا جائز ہے جس کی بیع درست ہے اور اس کو بعینہٖ باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اور وہ ایسی چیز ہونی چاہئے جو متصلاً باقی رہے جیسے زمین، جانور، اسلحہ، اثاثہ اور اس قسم کی دوسری اشیا وغیرہ''

علما وفقہا کا موقف تو اوپر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، البتہ بعض اہل علم وہ بھی ہیں جو رقم کو بھی وقف کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اِن میں امام بخاریؒ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کے حق میں مستقل عنوان بھی قائم کیا ہے:

بَابُ وَقْفِ الدَّوَابِّ وَالْكُرَاعِ وَالْعُرُوضِ وَالصَّامِتِ (صحیح بخاری، کتاب الوصایا)

''جانوروں، گھوڑوں، سامان اور سونے، چاندی کے وقف کا بیان۔''

اپنے موقف پر استدلال کیلئے اُنہوں نے اس باب کے تحت حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ لَهٗ فِي سَبِيلِ اللهِ أَعْطَاهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا رَجُلاً فَأُخْبِرَ عُمَرُ أَنَّهٗ قَدْ وَقَفَهَا يَبِيعُهَا، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ يَبْتَاعَهَا فَقَالَ لَا تَبْتَعْهَا وَلَا تَرْجِعَنَّ فِي صَدَقَتِكَ

''حضرت عمرؓ نے اپنا گھوڑا اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اور آپؓ اُنہوں نے وہ گھوڑا رسول اللہ کو اس لیے دیا تاکہ کسی آدمی کو سواری کے لیے دے دیں۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ اب وہ شخص اس کو فروخت کر رہا ہے تو اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ اسے خرید لے؟ آپؐ نے فرمایا اس کو مت خریدیں اور اپنا صدقہ واپس نہ لیں۔''

www.KitaboSunnat.com

امام بخاریؒ نے اپنے موقف کی تائید میں امام زہریؒ کا یہ اثر بھی ذکر کیا ہے:

''امام زہری نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ہزار دینار اللہ کی راہ میں دیے اور وہ اپنے تاجر غلام کو حوالے کر دیے کہ وہ ان سے تجارت کرے اور اس کا نفع مساکین اور رشتہ داروں کے لیے صدقہ کر دیا۔ کیا وہ شخص اس ہزار کے نفع سے خود کھا سکتا ہے؟ خصوصاً اگر اس کا نفع مساکین کیلئے صدقہ نہ کیا ہو تو امام زہری نے فرمایا اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس سے کھائے۔''

صحیح موقف

امام بخاریؒ کا تفقہ فی الدین اور مقام و مرتبہ شک وشبہ سے بالاتر ہے، لیکن اگر فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو حسبِ ذیل وجوہ کے باعث ان حضرات کا موقف صائب معلوم ہوتا ہے جو روپے پیسے کے وقف کو جائز نہیں سمجھتے۔

① تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ وقف میں اصل چیز کو باقی رکھ کر صرف اس کی منفعت خرچ کی جائے گی۔ اس کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا» (صحیح بخاری: ۲۷۳۷)

''اگر تو چاہے تو اس کا اصل روک لے اور اس کی منفعت (پیداوار) کو صدقہ کر دے۔''

یہ حدیث اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وقف وہ چیز ہو سکتی ہے جس کو باقی رکھ کر فائدہ اُٹھانا ممکن ہو جبکہ روپیہ اپنی اصل حیثیت میں رہتے ہوئے کوئی فائدہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نہ اس کو کھایا جا سکتا ہے، نہ پہنا جا سکتا اور نہ ہی اس میں رہائش رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس پر سواری کی جا سکتی ہے۔ یہ تو محض حصولِ اشیا کا ایک وسیلہ ہے یعنی جب تک اس کو خرچ نہ کریں، اس سے استفادہ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روپے، پیسے کو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں، کیونکہ کرایہ اسی چیز کا لیا جا سکتا ہے جسے صرف کے بغیر استعمال کیا جا سکتا ہو، چونکہ نقد میں یہ خوبی نہیں، اس لیے اس کا کرایہ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اسی بنا پر امام نوویؒ اور علامہ ابن قدامہؒ نے درہم و دینار کے وقف کا جواز ان لوگوں کا مسلک بیان کیا ہے جو ان کا کرایہ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: روضة الطالبین ۲/۲۵۴ اور المغنی ۸/۲۲۹

جب راجح مسلک کے مطابق ان کا کرایہ درست نہیں ہے اور مروّجہ تکافل کے حامی بھی اس سے متفق ہیں اور وجہ بھی وہی بیان کرتے ہیں جو فقہا نے وقف کے عدمِ جواز میں ذکر کی ہے کہ نقد

www.KitaboSunnat.com

کو استعمال کیے بغیر فائدہ اُٹھانا ممکن نہیں۔ (’اسلامی بینکاری کی بنیادیں‘ از مولانا تقی عثمانی: ص ۱۶۹)

اور اسی طرح تکافل کے مؤیدین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روپیہ پیسہ ایسی چیز نہیں جس کو باقی رکھ کر مستفید ہوا جا سکے تو پھر فقہاے کرام کی اس شرط کہ ’’وقف وہی چیز ہوسکتی ہے جو باقی رہ کر قابل فائدہ ہو‘‘ کو نظر انداز کر کے نقد کے وقف کے جواز کا فتویٰ دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

جو حضرات نقد کے وقف کے قائل ہیں، ان کے خیال میں روپے پیسے کو بھی باقی رکھ کر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ یوں کہ اس سے کاروبار کیا جائے اور جو نفع ہو وہ خرچ کر دیا جائے، اصل کو برقرار رکھا جائے تو یہ توجیہ دو وجہ سے درست نہیں ہے:

☆ ایک تو اس لیے کہ یہ صورت روپے پیسے کو اس کی اصل حیثیت میں باقی رکھ کر فائدہ حاصل کرنے کی نہیں۔ اس طرح کا فائدہ تو روپے پیسے کو کرایہ پر بھی لے کر لیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ شرعاً جائز نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس قسم کا فائدہ نقد کی تخلیق کا اصل مقصد نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی میں لکھا ہے۔

☆ دوسرا اس لیے کہ روپے پیسے کو کاروبار میں لگانے سے فائدہ کی بجائے نقصان کا بھی اندیشہ ہے اور ممکن ہے کہ وقف ختم ہی ہو جائے۔ اس لیے یہ کہنا کہ وقف کی ہوئی رقم سے کاروبار کر کے اس کا نفع خرچ کیا جائے گا، آپ ﷺ کے اس ارشاد کہ ’’اصل روک کر رکھو اور اس کی پیداوار خرچ کرو‘‘ کے خلاف ہے۔

جو حضرات نقد کے وقف کو ناجائز کہتے ہیں، ان کا موقف درست ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قائلین نے اپنی تائید میں جو دلائل ذکر کے ہیں، وہ ثبوت کے لیے ناکافی ہیں مثلاً حضرت عمرؓ کے واقعہ سے ایسی منقولی اشیا کا وقف تو ثابت ہوتا ہے جن کا اپنا ذاتی استعمال ہو مثلاً گھوڑا جس کا اپنا ذاتی استعمال ہے اور وہ ہے سواری وغیرہ، لیکن نقد جس کا اپنا کوئی ذاتی استعمال نہیں تو اس کا وقف ثابت نہیں ہوتا۔ امام بخاریؒ نے نقد کو گھوڑے پر قیاس کیا ہے جو درست نہیں، کیونکہ دونوں میں واضح فرق ہے۔

مزید برآں یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض اہل علم کی رائے میں یہ وقف تھا ہی

www.KitaboSunnat.com

نہیں بلکہ صدقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے تو فرمایا کہ اپنا صدقہ مت خریدو مگر بیچنے والے پر پابندی نہیں لگائی۔ اور نہ ہی حضرت عمرؓ نے اس پر کوئی اعتراض کیا۔ اگر یہ وقف ہوتا تو نبی ﷺ اس کو بھی منع فرما دیتے، کیونکہ وقف کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

☜ امام زہریؒ کا اثر بھی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ وقف کے بارے میں نہیں بلکہ عام صدقہ کے متعلق ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شخص اس کے نفع سے خود بھی کھا سکتا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا: نہیں۔ اگر یہ وقف ہوتا تو یہ پابندی نہ لگاتے، کیونکہ وقف کنندہ کو شرعاً اپنے وقف سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہے۔ محدث اسماعیلیؒ فرماتے ہیں

''زہریؒ کا اثر اس وقف کے خلاف ہے جس کی اجازت نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کو دی تھی کہ ''اصل کو روکے رکھو اور ثمرہ خرچ کرو۔'' سونے چاندی سے تو تب ہی فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے جب اس کو بعینہٖ کسی دوسری چیز کی طرف نکالا جائے۔ غرض یہ اصل کو روکے رکھو اور ثمرہ خرچ کرو کی صورت نہیں بنتی۔''

حافظ ابن حجرؒ نے محدث اسماعیلیؒ کے اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ صرف زیور جس کا ذاتی استعمال واضح ہے پر منطبق ہوتا ہے، درہم و دینار پر نہیں، اس لیے اس کو روپے پیسے کے وقف کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

☜ موجودہ تکافل کے حامی فتح القدیر کے حوالے سے امام زفرؒ کے شاگرد محمد بن عبداللہ انصاریؒ کے فتویٰ کا ذکر بھی بڑی شد و مد سے کرتے ہیں کہ اُنہوں نے درہم و دینار کے وقف کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ فتویٰ خود تکافل کمپنیوں کیخلاف جاتا ہے، کیونکہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

قِيلَ وَكَيْفَ؟ قَالَ: يَدْفَعُ الدَّرَاهِمَ مُضَارَبَةً ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا فِي الْوَجْهِ الَّذِي وَقَفَ عَلَيْهِ

''کہا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ دراہم مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار کے لیے دے پھر ان پر صدقہ کرے جن پر وقف کیا گیا ہے۔''

جبکہ تکافل کمپنیوں کے مالکان اپنے قائم کیے ہوئے وقف سے کسی کو بطورِ مضاربہ رقم نہیں دیتے بلکہ خود ہی کاروبار کرتے ہیں اور اس کی باقاعدہ فیس وصول کرتے ہیں۔ امام زہریؒ کے

www.KitaboSunnat.com

اثر میں بھی یہی ہے کہ اس نے دینار غلام تاجر کو دیے تھے، نہ کہ خود ہی تجارت میں لگا کر اس کے عوض فیس لینا شروع کر دی۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ جو حضرات نقد کے وقف کے قائل ہیں ان کا نقطہ نظر کمزور ہے۔ لہٰذا تکافل کمپنیوں کی بنیاد ہی ایسے موقف پر استوار ہے جو دلائل کی قوت سے محروم ہے۔

☜ یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ تکافل کے حامیوں کی رائے میں پالیسی ہولڈرز کی اَقساط سے جو حصہ وقف پول میں جاتا ہے، وہ وقف کی بجائے وقف کی ملکیت ہوتا ہے جو وقف کے مصالح کے علاوہ ان لوگوں پر خرچ ہوگا جن کے لیے وقف قائم کیا گیا ہوگا جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ سوڈان کے معروف عالم پروفیسر صدیق محمد امین ضریر کے نزدیک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ومالم يأت الباحث بدليل على أن ما يتبرع للوقف يصرف للموقوف عليهم فإن تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف ينهار من أساسه (تعقيب عن بحث تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف والحاجة الداعية إليه)

''جب تک محقق (مولانا تقی عثمانی) اس بات کی دلیل پیش نہیں کرتے کہ جو عطیہ وقف کو دیا جاتا ہے، وہ ان لوگوں پر ہی خرچ کیا جا سکتا ہے جن پر وقف کیا گیا ہو تو وقف کی بنیاد پر تکافلی انشورنس کا اُصول اپنی بنیاد سے ہی اُکھڑ جاتا ہے۔''

☜ یہاں اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دنیا میں مروّجہ تکافل کی سب سے پہلی کمپنی سوڈان میں ۱۹۷۹ء میں صدیق محمد امین زیر نگرانی قائم ہوئی تھی، لیکن اس کی بنیاد وقف کی بجائے تَبَرُّع پر تھی۔ مگر اس کو وقف کی بنیاد پر قائم تکافل کمپنیوں کے مفتیانِ کرام جائز نہیں سمجھتے۔

بعض تحقیق طلب مسائل

مروّجہ اسلامی انشورنس میں ایلوکیشن اور ایڈمن فیس کے نام پر وصولی بھی غور طلب پہلو ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہے کہ پہلے سال قسط کی ۸۷ فیصد (زیادہ سے زیادہ) دوسرے سال بیس، جبکہ تیسرے سال دس فیصد رقم ایلوکیشن فیس کے نام پر کاٹ لی جاتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

یہ ساری رقم کنسلٹنٹ جو گاہک گھیر کر لاتا ہے اور برانچ ذمہ داران کی جیبوں میں جاتی ہے اور پالیسی ہولڈر کو اس کا علم تک نہیں ہوتا۔

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو روائتی انشورنس کا ہے کہ پہلی قسط کا معتد بہ حصہ انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کو دے دیا جاتا ہے۔ جب نام نہاد اسلامی انشورنس نظریاتی مرحلہ میں تھی، تب یہ کہا جاتا تھا کہ روایتی انشورنس میں یہ ظلم ہوتا ہے کہ پہلی قسط تقریباً پوری کی پوری ایجنٹ کی جیب میں چلی جاتی ہے جبکہ تکافل میں یہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب عملی مرحلہ آیا تو نام نہاد اسلامی انشورنس نے بھی وہی راستہ اختیار کیا۔ ہمارے خیال میں یہ پالیسی ہولڈر کے ساتھ زیادتی ہے وہ اس طرح کہ اگر وہ ایک قسط ادا کرنے کے بعد تکافل کمپنی کو الوداع کہتا ہے تو قواعد وضوابط کے مطابق اس کو صرف وہ رقم ملتی ہے جو انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع ہو یا پھر اس سے حاصل ہونے والا نفع۔ اب ستاسی فیصد تو ایلوکیشن فیس کے نام پر پہلے ہی الگ کیا جا چکا ہے، باقی تیرہ فیصد بچا، اس میں سے آدھا وقف میں چلا گیا جو شرعاً واپس نہیں لیا جا سکتا۔ جو باقی رہ گیا اس میں سے ڈیڑھ فیصد مینجمنٹ اور ۶۵ سے لے کر ایک سو دس تک ماہانہ ایڈمن فیس بھی لی جاتی ہے۔ پالیسی ہولڈر کے ہاتھ اس کے سوا کیا آیا کہ تکافل کمپنی کے تنخواہ دار شریعہ بورڈ کے مفتیانِ کرام کا ایک عدد فتویٰ اور اس کے نتیجے میں اسلام کے نظامِ تکافل کے متعلق پیدا ہونے والی بدگمانی کہ یہ بھی استحصال پر مبنی نظام ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

ایلوکیشن فیس کی اس کے علاوہ کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کہ یہ مختلف حربوں سے مال کھانے کی بدترین شکل ہے۔ مروّجہ تکافل کے حامی بڑی سادگی سے کہتے ہیں کہ ہم ہر بات پہلے بتا دیتے ہیں۔ ناجائز تو تب ہو جب کوئی بات خفیہ رکھی جائے۔ یہ انتہائی لغو قسم کا استدلال ہے۔ کیا بتا کر باطل طریقے سے کسی کا مال ہڑپ کرنا جائز ہو جاتا ہے؟ ناجائز کاروبار میں ملوث لوگوں کی اکثریت بھی یہی کہتی ہے کہ ہم ہر بات پہلے طے کرتے ہیں، پھر یہ ناجائز کیسے؟ کیا تکافل کے حامی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ فقہاے اسلام نے بعض معاملات محض اس لیے ناجائز قرار دیے ہیں کہ ان سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچ رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہوا کہ مروّجہ تکافل روایتی انشورنس کا ہی چربہ ہے مگر تاویلات کے ذریعے اس کو جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور مغرب

ڈینیل پایپس
تبصرہ وترجمہ: سلیم منصور خالد

'دشمن' کا نام ہونا چاہیے!

ہم بھی ایک عجب عہد میں سانس لے رہے ہیں کہ پسے اور مصیبت میں پھنسے ہوئے فرد بلکہ معاشرے ہی کو نصیحت کے درس دیے جاتے ہیں اور ظالم کے ظلم پر بات کرنے کو مصلحت کے خلاف یا شاید انتہا پسندانہ سوچ قرار دیا جاتا ہے۔

مغرب کے مخصوص دہشت پسندانہ ماحول اور مسلم دنیا کی استبدادی فضاؤں میں سانس لینے والے 'ناصحین اور سیانے' لوگ یہ کہتے ہیں: ''بھائی، مسلم دنیا کے بارے میں فکری عدم توازن اور قلمی صلیبیت کے علم بردار مغربی قلم کاروں کی تحریروں کا مت نوٹس لیا کریں۔ مغربی معاشرے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' اسی طرح کے سیانے لوگوں میں کچھ ظالم تو ہر بات اور ہر حادثے کی خبر پر اپنے مجبور ومظلوم بھائیوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے، طنزیہ انداز میں کہتے ہیں: ''اچھا، یہ بھی یہودی سازش ہے''۔ اور ایسا جملہ اُچھالتے ہوئے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے چہروں پر دانش کی چمک پھیل جاتی ہے، حالانکہ وہاں پر عبرت کی سیاہی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ چلئے، ناصحین کے ہدایت نامے کو لمحے بھر کے لیے تسلیم کر ہی لیا جائے کہ ایسی دل آزار اور اشتعال انگیز تحریریں لکھنے والے کچھ جنونی لوگ ہی ہیں اور بس۔ مگر اس چیز کا کیا کیا جائے کہ انہی فکری دہشت گردوں کی گرد کو مغربی سیاسی وفوجی قیادتیں اپنی آنکھ کا سرمہ اور غبار کو فکر کا محور بنا لیتی ہیں۔ پھر کٹھ پتلیوں کی طرح ان لوگوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کو دنیا میں پھیلانے کے لیے اندھا دھند کارروائیاں شروع کر دیتی ہیں۔ مغربی دنیا کے لوگ انہی لیڈروں کو اپنا رہبر و رہنما بھی منتخب کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں آگ، دولت اور موت کی کنجیاں بھی دے دیتے ہیں۔

یہاں مغرب کے جس فتنہ جو گروہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، انہی میں ایک نام ڈینیل

www.KitaboSunnat.com

پائپیس (Daniel Pipes) کا بھی ہے، جس کی اشتعال انگیز تحریریں، علم و دانش اور اخلاق واَدب کی دنیا میں تو کوئی وزن نہیں رکھتیں، مگر وائٹ ہاؤس، پینٹا گون اور دس ڈاوننگ سٹریٹ ان تحریروں کا عملی ترجمہ کرنے میں کسی سے پیچھے رہتے نظر نہیں آتے۔ یہاں پر اسی فرد کے ایک تازہ مضمون The Enemy Has a Name کا ترجمہ دیا جا رہا ہے، جو مقبوضہ فلسطین کے یہودی اخبار 'یروشلم پوسٹ' میں ۱۹؍جون ۲۰۰۸ء کو شائع ہوا اور بعدازاں اس کی ویب سائٹ سے دوسرے حلقوں میں پہنچایا گیا، ترجمہ ملاحظہ ہو:

اگر آپ دشمن کو متعین طور پر نام نہیں دیں گے تو پھر آپ اسے شکست کیسے دے سکیں گے؟ بالکل اس طرح جیسے ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مریض کے مرض تشخیص کرے۔ تاحال امریکا اپنے مخالفین میں سے دشمن کو متعین کرنے میں متردّد نظر آتا ہے۔

۲۰۰۱ء کے اَواخر میں امریکی اعلیٰ حکام نے اس ضمن میں غیر مؤثر اور غیر یقینی اعلامیے جاری کیے۔ وزیر دفاع رمزفیلڈ نے کامیابی کو اس امر سے منسوب کیا کہ ''ہم ایسی فضا پیدا کرنا اور اس کا تحفظ چاہتے ہیں کہ جہاں ہم ہر قسم کی آزادی سے سانس لے سکیں۔'' جب کہ صدر بش نے کہا: ''ہم دہشت گردی کے عالمی نیٹ ورک کو شکست دینا چاہتے ہیں۔'' دراصل 'دہشت گردی کو شکست' دینا ہی اصل نصب العین اور ہدف ہونا چاہیے، جو تاحال حاصل نہیں ہوسکا۔ ماہرین کے بقول دہشت گردی بذاتِ خود کوئی دشمن نہیں بلکہ دشمن کی ایک جنگی چال کا نام دہشت گردی ہے۔ آخر کار صدر بش نے ۲۰۰۴ء کے وسط میں اعتراف کیا: ''ہم نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دشمن کا درست نام نہیں لیا۔ دراصل یہ ان نظریاتی انتہا پسندوں کے خلاف جنگ ہے جو آزاد خیال معاشروں پہ یقین نہیں رکھتے، اور جو آزاد خیال معاشروں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے دہشت گردی کو بطورِ ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔''

اگلے برس برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیر نے ذرا وضاحت سے کہا: ''دشمن دراصل وہ مذہبی نظریہ ہے جو دنیا بھر میں اسلام کے نام سے موسوم ہے۔'' پھر اس کے بعد صدر بش نے تین اصطلاحیں استعمال کیں: 'اسلامی انقلابیت'، 'دہشت گردانہ جہادازم' اور 'اسلامی فسطائیت'۔ مگر ان اصطلاحوں پر سخت تنقید کے نتیجے میں بش ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ۲۰۰۷ء کے وسط میں

www.KitaboSunnat.com

صدر بش نے کہا: ''ہم اس دہشت گردی کے خلاف عظیم جدوجہد کر رہے ہیں، جو شرقِ اوسط کی سرحدوں سے باہر تک پھیل چکی ہے۔'' یہ ہے وہ موقف جس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے امریکی انتظامیہ اور اس کی ایجنسیاں 'موت کے فدائی'، 'فرقہ واریت کے پرستار' اور 'دہشت کے متوالے' جیسی غیر واضح اور مبہم اصطلاحوں کو استعمال کرتی ہیں۔

اصل میں یہ دشمن ایک واضح اور جامع نام رکھتا ہے اور وہ ہے: ''اسلام ازم'، 'اسلام کے تخیلاتی پہلو کا انقلابی تصور'، 'اسلام پرست آمرانہ نظریہ' جو بھرپور مالی مدد سے اسلامی قوانین (شریعہ) کو عالمی اسلامی ضابطے کے طور پر نافذ کرنے کا خواب ہے۔''

اس مناسبت سے ہدف بڑا واضح ہے اور وہ یہ کہ ''اسلام ازم کو شکست فاش دینا اور اسلام کی ایک متبادل شکل وضع کرنے کے لیے مسلمانوں کی مدد کرنا۔'' یہ کام اتفاقیہ طور پر انجام دینے کی سوچ کے ساتھ نہیں بلکہ حلیف قوتوں کی مدد سے اسی جذبے کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس عزم کے ساتھ ماضی میں دو یوٹوپیائی انقلابی تحریکوں، یعنی فسطائیت اور اشتراکیت کو سبق سکھانے کے لیے بڑا مضبوط قدم اُٹھایا گیا تھا۔

پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ اس نظریاتی دشمن کو ویسی شکستِ فاش دی جائے، جس طرح ۱۹۴۵ء اور ۱۹۹۱ء میں کیا گیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ اس [اسلامی] انقلابی نظریے کی تحریک کو کمزور اور پھر نابود کر دیا جائے، تاکہ ان کے ہاتھوں دنیا کے ہلائے جانے کی دہشت کا خاتمہ ہوجائے۔ یاد رہے کہ دوسری جنگِ عظیم [۴۵-۱۹۳۹ء] ہم نے خون، لوہے اور ایٹم بم کے ذریعے جیتی تھی، ایک تو یہ ماڈل ہوا۔ دوسرا ماڈل [اشتراکی روس سے] سرد جنگ جیتنے کا ہے، کہ جس میں جنگی دباؤ اور پیچیدہ عمل کو بروے کار لایا گیا تھا، جس نے سوویت یونین کو پُرامن طور پر ریزہ ریزہ کر دیا۔

تاہم اسلامیت کے خلاف فتح پانے کے لیے مذکورہ بالا دونوں حکمتِ عملیوں کو بروے کار لانا ہوگا، جو بھرپور جنگ، جوابی دہشت گردی، جوابی پروپیگنڈا اور دیگر بہت سے ہتھکنڈوں پر مشتمل ہوگی۔ ماضی میں اس راہ پر چلتے ہوئے افغانستان سے طالبان کی حکومت کا صفایا کیا گیا تھا اور اب اگلے قدم کے طور پر ہمیں قانون پسند اسلامیان (Lawful Islamists) کو

www.KitaboSunnat.com

نشانہ بنانا ہے، جو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے تعلیمی، دینی، عدالتی، اِبلاغی اور سیاسی اداروں میں کام کر رہے ہیں۔

ہمارا اگلا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان مسلمانوں کی مدد کریں جو اسلامیان کے نقطۂ نظر کی مخالفت کرتے ہیں اور اسلامی طرزِ حکومت کے برعکس جدید طریقوں پر زندگی گزارنے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن یہ [روشن خیال] مسلمان ایک کمزور مخلوق ہیں اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہے۔ مزید برآں اُنہوں نے حال ہی میں تحقیق وجستجو سے ناطہ جوڑا ہے۔ وہ رابطے، ابلاغ، تنظیم، مالیات کی فراہمی اور متحرک ہونے کے لیے محنت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے اور مؤثر طریقے سے کرنے کے لیے ان روشن خیال مسلمانوں کو، غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی اور مالی سرپرستی کی ضرورت ہے۔ آخری تجزیے میں اسلامیّت نے اہلِ مغرب کے سامنے دو چیلنج پیش کیے ہیں، اور وہ یہ کہ ''بات صاف صاف کی جائے، اور فتح کے حصول تک جدوجہد جاری رکھی جائے۔'' (www.danielpipes.org)

.....

ڈینیل پائپس کی اس تحریر کے دامن میں چھپی ہوئی شرارت اور دروغ گوئی تو واضح ہے، تاہم چند اُمور کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے:

❁ یہ صاحب، اسلامیانِ عالم کو بطورِ دشمن نام دینے اور ان کا تشخص متعین کرنے کا واویلا کر رہے ہیں، حالانکہ ۲۰۰۱ء ہی کے آخر تک امریکا نے تاریخ کی بدترین بم باری کر کے لاکھوں افغانی مسلمانوں کو خاک وخون میں نہلا دیا تھا، اور پھر ۲۰۰۳ء کے نصفِ اوّل میں عراق پر موت اور بارود کی بارش کر کے لاکھوں مسلمانوں کو برباد کر دیا تھا۔ مگر مضمون نگار تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے ابھی تک نام متعین کرنے کی بحث کا سوال اُٹھا کر، انسانی تاریخ کے اس بدترین قتلِ عام کو معمول کا واقعہ بنا کر پیش کر رہا ہے۔

❁ دوسری جنگِ عظیم کی 'فتح' کو ایک لفظ 'ایٹم' سے موسوم کر کے ذِکر یوں چھیڑا ہے جیسے اور تو کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ یہ نہیں بتایا کہ ان دو ایٹم بموں نے کتنے لاکھ جاپانیوں کو ہلاک یا اَپاہج کر دیا تھا اور اس جنگ میں کتنے سو لاکھ انسانوں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ گویا کہ ایک امریکی مارا

www.KitaboSunnat.com

جائے تو خبر، اور دوسرے لاکھوں انسان مارے جائیں تو معمول کی ایک بات۔ روشن خیالی کی یہی بدترین قسم، مغرب کی مادہ پرست تہذیب کا مظہر ہے۔

❁ یہ کہنا کہ: ''سوویت یونین کو امریکا بہادر نے جنگی دباؤ اور پیچیدہ عمل سے پُرامن طور پر ریزہ ریزہ کردیا۔'' کتنی بڑی سفاکی اور کس درجے کی دروغ بافی ہے۔ اشتراکی روس کے وجود کو رِستا ہوا ناسور بنانے میں کیا ۱۳/ لاکھ افغانوں کی جانیں، ۶۰/ لاکھ افغان عورتوں، بچوں اور بوڑھے انسانوں کی ۱۵/ برس تک مہاجرت کسی شمار میں نہیں ہیں؟

❁ اسلام کے نئے ماڈل کی تشکیل (reconstruction) کا کام کرنے کے لیے مرزائے قادیان کی طرح کے کئی ہرکارے، اہلِ مغرب اور ان کی پٹھو مسلمان حکومتوں کی چھتری تلے کام کررہے ہیں، مگر اس کے باوجود موصوف کی بے صبری دیدنی ہے۔

❁ سب سے اہم یہ کہ مضمون نگار اس تحریر میں ان پُرامن مسلمانوں کو جو درس گاہوں، پارلیمانوں، ہسپتالوں، ابلاغی اداروں اور دینی اداروں میں کام کر رہے ہیں، سفاکانہ نشانہ بنانے کا درس دے رہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بدمست دانش ور دنیا کو آگ، خون اور موت کے حوالے کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی ایسے فرد کا کوئی احترام نہیں جو کھلے عام اور پُرامن طور پر سماجی زندگی میں کام کررہا ہے۔

....

اس سامراجی یلغار کے راستے صاف کرنے کے لیے خود ہماری اقوام میں، ہم جیسے نام اور شکلیں رکھنے والے بہت سے کارندے اپنا کام کر رہے ہیں۔ کبھی یہ کام سامراج کے ٹوڈی، قادیانی اور بہائی کرتے تھے، اب ان کے ساتھ 'روشن خیال' اور منکرینِ حدیث، طاقت کے سرچشموں پر قابض 'ماڈرن مُلّا' بھی شریکِ کار ہیں۔ لاہور سے ایک اخبار نکلتا ہے: 'ڈیلی ٹائمز' جس کے مالک پنجاب کے گورنر اور پیپلز پارٹی کے منظورِ نظر لیڈر سلمان تاثیر ہیں۔ اس پرچے میں مذہبی آزادی، تقسیمِ ہند، فرقہ واریت، کلچرل آزادی اور فری سوسائٹی کے نام پر جو کچھ چھپتا ہے، وہ قوم کے سامنے ہے، مگر اس پر سوال اٹھانا 'آزادئ صحافت' کے منافی قرار دیا جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسی اخبار کے ایک بزرگ کالم نگار نے لال مسجد کے سانحے (۱۰جولائی ۲۰۰۷ء) کے تین روز بعد لکھا تھا کہ: ''اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے سیکولر اور روشن خیال طبقے مولویوں کے خلاف متحد ہوجائیں اور فوج کے ساتھ مل کر ان کا مقابلہ کریں۔'' بہ چشم ہوش دیکھا جائے تو ان کی یہ حسرت ناک خواہش اپنی جگہ ایک جھوٹ ہے۔ اتحاد کیا، اسی 'نام نہاد روشن خیال' طبقے کے اتحاد نے تو گذشتہ ۶۰ برس سے پاکستانی قوم کے سیاہ وسفید پر قبضہ جما رکھا ہے، مگر افسوس کہ موصوف کو ابھی تک خبر ہی نہیں ہوئی یا پھر یہ ہے کہ ابھی تک ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ انہی کے ایک قائد، مسٹر مشرف کی صورت میں قوم کی گردن پر سوار ہیں۔ دوسرے قائد کراچی میں آگ اُگلتے، خون کا سیلاب لاتے اور اخلاق کا قتل عام کرتے ہیں۔ پھر اسی اخبار کے مالک اب آدھے پاکستان کے گورنر ہیں۔ اس حمام میں اتحاد واختیار کی محرومی کے کیا معنی؟

ڈینیل پائپس کے ارشادات پڑھیے، اور پھر ڈیلی ٹائمز، لاہور کے خصوصی نامہ نگار متعینہ نیویارک خالد حسن کی تائید مزید کو ملاحظہ کیجیے، آپ کو تمام کردار حیرت انگیز طور پر ایک ہی آرکسٹرا کی دُھن پر رقصاں دکھائی دیں گے۔ ہمارے سامنے اس وقت ۲۸ر جنوری ۲۰۰۷ء کا ڈیلی ٹائمز ہے، جس میں یہی خالد حسن ایک تجزیہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ربوہ شہیدوں کا شہر ہے۔'' ان کی یہ تحریر اور کچھ نہیں تو اس امر کی وضاحت کر دیتی ہے کہ موصوف کی سخن وری کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اور اب، جب کہ ڈینیل پائپس نے مذکورہ بالا اشتعال انگیز مضمون شائع کیا اور اسے اپنی ویب سائٹ پر ڈالا تو انہی خالد حسن نے اس کی تائید کے لیے کسی سے پیچھے رہنا پسند نہ کیا، اور ۳جولائی ۲۰۰۸ء کو بطور 'وعدہ معاف گواہ' لکھا:

گیلپ سروے کے مطابق مسجدوں میں جانے والے مسلمانوں کے برعکس، مسجدوں میں نہ جانے والے مسلمان زیادہ تر دہشت گردی کے پشت پناہ ہیں۔'' [یہ خبر اس نمایندے نے ڈیلی ٹائمز کی اشاعت ۱۲ر مئی ۲۰۰۶ء میں بھی شائع کرائی تھی، لیکن وقت گزرنے کے بعد خبر کے اس ٹکڑے کو دوبارہ ریکارڈ سے نکالتے اور اپنے جذبات کی تپش کا اضافہ کرتے ہوئے، ۳ر جولائی ۲۰۰۸ء کے نثر پارے میں آگے چل کر لکھا ہے:] بے روزگار مسلمانوں کے برعکس وہ مسلمان زیادہ دہشت گردی کے پشت پناہ ہیں کہ جن کے پاس کل وقتی ملازمتیں ہیں۔ [پھر ڈینیل

www.KitaboSunnat.com

پائپس کی لے میں لے ملاتے ہوئے، تمام حدیں توڑ کر، موصوف یہ روشن خیال نظریہ پیش کرتے ہیں: ◉ یاد رکھیے، ناخواندہ مسلمان چاقوؤں اور تلواروں سے جہاد کریں گے ◉ خواندہ مسلمان بندوقوں سے جہاد کریں گے ◉ اعلیٰ فنی وسائنسی تعلیم کے حامل مسلمان ٹکنالوجی اور انٹرنیٹ کو بطورِ آلہ استعمال کرکے، جہادی نظریے کی تشہیر کرکے نئے 'مجاہدوں' کو بھرتی کریں گے ◉ تعلیم یافتہ مسلمان یہی کام اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر زیادہ وسعت سے کریں گے گویا کہ زیادہ پڑھا لکھا مسلمان، زیادہ مذہبی انتہا پسند ہوتا ہے، مطلب یہ کہ پڑھا لکھا فرد [مسلمان] زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ (www.danielpipes.org)

دیکھنا چاہیے کہ یہ کون لوگ ہیں، جو نفرت پھیلانے اور آگ بھڑکانے کا کام کر رہے ہیں؟ یہ کون لوگ ہیں کہ جن کے نزدیک آئین، دستور اور اخلاق کا کوئی وزن نہیں؟ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ایک گروہ مسلم اُمہ کے دین دار طبقوں کو نشانہ بناتا ہے، اور دوسرا گروہ رفاہِ عامہ کے کاموں کو دہشت گردی کا ذریعہ قرار دیتا ہے، جب کہ تیسرا گروہ تاجروں اور مخیّر حضرات کو یہی الزام دیتا ہے، اور چوتھا گروہ جدید تعلیم یافتہ اور پُرامن مسلمانوں کو خطرے کا سرچشمہ قرار دیتا ہے، اور آخر نتیجے میں گویا پوری ملتِ اسلامیہ اس سرخ نشان کی زد میں آجاتی ہے۔ اس مسئلے پر غور وفکر، اسلامیانِ علم کے سامنے ایک بڑا اہم سوال ہے!!

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ، اور وہ یہ کہ کچھ لوگ بے جا طور پر اپنے آپ کو مغربی جنگجوؤں کے سامنے ماڈریٹ یا 'نرم چارہ' ثابت کرنے کے لیے، اُصولی موقف میں بے جا لچک یا حددرجہ لچک دار موقف کو پیش کرنے کے لیے بہت سی بچگانہ کوششیں یا حرکتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ موقف اُصولی، اخلاقی اور منصفانہ ہونا چاہیے، اور پھر اس میں لیت ولعل نہ برتا جائے۔ جن لوگوں کے سامنے موقف کو نرم کرنے کا کھیل کھیلا جاتا ہے، وہ ان چیزوں سے متاثر نہیں ہوتے، اگر اُنہوں نے اس سے متاثر ہونا ہوتا تو بوسنیا اور کوسووا کے حددرجہ مغرب زدہ مسلمانوں کے ساتھ وہ ظلم و زیادتی نہ کرتے۔ گویا کہ دشمن کو لیپاپوتی سے غرض نہیں، وہ تو جڑ اور بنیاد کو ہدف بنانا چاہتا ہے، اس لیے معاملے کو اُصولی طور پر مضبوط موقف کے ساتھ حل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

نقد و نظر

سید خالد جامعی، محمد زاہد صدیق مغل

ٹی وی اور تبلیغ اسلام

میڈیـــا وار کا فریب

یہ مضمون ماہنامہ 'محدث' جون ۲۰۰۶ کے خصوصی شمارے براے تصویر نمبر کے تناظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ لاہور میں تمام مکاتبِ فکر : بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے جید علماے کرام کے درمیان ایک 'ملی مجلس شرعی' منعقد ہوئی جس کا موضوع تبلیغ اسلام کے لئے جدید میڈیا خصوصاً ٹی وی کا استعمال تھا۔ چونکہ ٹی وی پر تبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسئلہ تصویر کی حرمت ہے، لہٰذا مسئلہ تصویر کی شرعی حیثیت ہی اس مجلس کا اصل محور و مرکز تھا۔ گو کہ علماے کرام کی تعبیر و تشریح کے اُسلوب میں فرق تھا، لیکن اس نقطے پر سب کا اتفاق تھا کہ فی زمانہ تبلیغ دین کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ٹی وی پر آنا جائز ہے۔

اس مضمون کا مقصد مسئلہ تصویر پر اختیار کئے گئے موقف کی بجائے علماے کرام کے اس مفروضے کا جائزہ پیش کرنا ہے کہ ''ٹی وی بس ایک آلہ ہے، کیونکہ آج یہ کافر کے قبضے میں ہے، لہٰذا اس سے شر کا فروغ ہو رہا ہے، لیکن اگر یہ مسلمانوں کے پاس آجائے تو اس سے خیر کے سوتے پھوٹنے لگیں گے۔''

درحقیقت ٹی وی کے بارے میں یہ مفروضہ ایک عامیانہ تجزیے پر مبنی ہے اور اس مضمون میں ہم دکھانے کی کوشش کریں گے کہ نہ صرف یہ کہ ٹی وی کے ذریعے تبلیغ دین کا کام مؤثر طور پر کرنا ممکن نہیں بلکہ یہ اُلٹا نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

مقصد اور ساخت کا تعلق باہمی

سب سے پہلے یہ اُصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اس کی ساخت (structure) کا حصولِ مقصد اور اس کے دوام کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اَفراد جب کسی شے کے حصول کو اپنا مقصد بناتے ہیں تو اس کے حصول کے لئے کوئی نہ کوئی انتظامی شکل ضرور اختیار کرتے ہیں اور بہت سی انتظامی شکلوں میں سے وہی شکل زندہ رہ جاتی ہے، جو زیادہ مؤثر اور قابل عمل ہوتی ہے۔ افراد کی خود سے اختیار کردہ مخصوص انتظامی ہیئت ان معنوں میں تو ضروری نہیں ہوتی کہ وہ بذاتِ خود اَصلاً مطلوب تھی، مگر ان معنوں میں یقیناً ضروری ہوتی ہے کہ اس کی بقا سے افراد کے معاشرتی مقاصد قائم رہتے ہیں اور اس کا

www.KitaboSunnat.com

انہدام ان تمام مقاصد کے انہدام کا باعث بھی بنتا ہے جو اس کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ ساخت وڈھانچے کے اندر جو روح (sprit) موجود ہوتی ہے، اسے اس ساخت سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح شریعت کے بیان کردہ ڈھانچے غیر متبدل ہوتے ہیں، کیونکہ شریعت نے ایسے ڈھانچوں کی نشان دہی کردی ہے جنہیں اختیار کرکے مقاصد الشریعہ کا حصول ممکن ہوجاتا ہے۔ درحقیقت اسلامی نظام زندگی بدن اور روح کے آموختے کا نام ہے، ساخت اور روح ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ ہر ڈھانچے اور نظام کی اپنی روحانیت (sprituality) اور دانش (wisdom) ہوتی ہے جو اس کے اندر سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے، جب تک آپ اس نظام کو اس کی ساخت کے ساتھ چلاتے رہتے ہیں تو اس کی مخفی دانش (potential wisdom) اور روحانیت (potential sprituality) ایسے ایسے طریقوں سے اپنا اظہار کرتی رہتی ہے کہ جن کا اِدراک کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ عمل کی ساخت اور اس کی روح کے تعلق کی وضاحت چند آسان مثالوں سے کی جاسکتی ہے:

مثال ❶: کھڑے ہوکر کھانے والے نظام کی اپنی دانش وروحانیت ہے جو حرص وحسد کی عمومیت کے ذریعے ظہور پذیر ہوتی ہے، لیکن اسلامی آداب طعام کی روحانیت ودانش دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے میں مضمر ہے۔ جو شخص دسترخوان پر بیٹھ جاتا ہے وہ کھڑے ہوکر کھانے والوں کی طرح لوٹ مار، چھینا جھپٹی نہیں کرسکتا۔ وہ دسترخوان پر تعلقات کے ایک ایسے تانے بانے میں بندھ جاتا ہے جہاں اس کی نقل وحرکت ناممکن ہوجاتی ہے۔ وہ حالت حرکت سے حالتِ سکون میں آجاتا ہے، وہ ایک پیالے سے دوسرے پیالے ایک برتن سے دوسرے برتن کی طرف آزادانہ رجوع نہیں کرسکتا۔ جو کچھ اس کے سامنے میسر وموجود ہے وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔ صرف اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ جو لوگ فروکش ہیں ان کا حصہ بھی ان چیزوں میں موجود ہے جو سامنے برتنوں میں رکھی ہیں، اس سے وہ اعتنا نہیں کرسکتا۔ اگر برتن میں پانچ بوٹیاں ہیں اور کھانے والے بھی پانچ ہیں تو کوئی فرد پانچوں بوٹیاں اپنی رکابی میں ڈالنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ پانچ نگاہیں اس کے تعاقب میں ہوں گی، اس کا اخلاقی وجود کڑی نگرانی میں ہوتا ہے۔ کوئی قانون نافذ نہیں ہوتا، لیکن نفسِ لوامہ اور اخلاقیات کا قانون دسترخوان کے ڈھانچے کے ذریعے فرد پر مسلط ہوجاتا ہے اور وہ اس کے جبر سے اوپر نہیں اُٹھ سکتا۔ اس کے برعکس کھڑے ہوکر

www.KitaboSunnat.com

کھانے کی اخلاقیات ہی دوسری ہوتی ہیں، ایک میز سے وہ پسند کی بوٹیاں واشیا چنتا ہے، پسند نہیں آتیں تو دوسری میز پر پھینک کر دوسری رکابی اٹھا کر دوسری اشیا استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے، پسندیدہ اشیا ایک میز پر نہ ملیں تو وہ ہر میز پر گھوم پھر کر ڈھونڈتا اور لوٹتا رہتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنا زمان ومکاں تیزی سے بدل رہا ہے، لہٰذا کسی کی نظر میں نہیں ہے بلکہ صرف نفس امارہ (حرص و حسد و ہوس) کی گرفت میں ہے۔ دسترخوان اس کے اخلاقِ رذیلہ کے اظہار کی صلاحیتیں سلب کر لیتا ہے، اسی لئے دسترخوان پر بیٹھنے والا مرغی کی گردنیں بھی کھاتا ہے، لیکن بوفے میں کھانے والا گردنوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔

مثال ❷: ہمارے گاؤں دیہات میں چوپال اور بیٹھک لوگوں کی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ ہوا کرتے تھے (کہیں کہیں اب بھی یہ نشستیں موجود ہیں)۔ اب دیکھئے اسلام چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کے تعلقات سے جو معاشرہ وجود میں آئے، وہاں پڑوسیوں کی خوب خبر گیری ہونی چاہئے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خیال کیسے رکھا جائے؟ اس کا انتظام کیا ہو؟ کیا ہر شخص روزانہ رات سونے سے پہلے اپنے پڑوسی کا دروازہ بجا کر اس سے پوچھے کہ بھائی کیسے ہو؟ ظاہر ہے ایسا تو نہیں ہوسکتا، مگر پھر کیا ہو۔ اب ذرا غور کریں کہ یہ بیٹھک کیا ہے؟ عام نشست کی ایسی جگہ جہاں لوگ شام کے وقت تھوڑی دیر دل لگی اور فرحتِ طبع کے لئے اکٹھے بیٹھتے جس کے ذریعے اُنہیں پورے گاؤں اور اسکے اطراف کے لوگوں کے حالات معلوم ہوتے، مثلاً گاؤں میں کون بیمار ہے، کس کے گھر شادی ہے، کس کے گھر فوتگی ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص دو دن تک بیٹھک نہ آتا تو لوگ اس کے گھر خیریت معلوم کرنے جاتے۔ یوں سمجھئے کہ ایک طرف تو یہ گاؤں کے حالاتِ حاضرہ کو اَفراد تک پہنچانے کا ایک مکمل طریقہ تھا تو دوسری طرف ایک ساتھ مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کا خیال کرنے کی اَقدار کے فروغ کا ذریعہ تھا۔ پڑوسیوں کی خبر گیری کرنے کا بھلا اس سے بہتر انتظام اور کیا ہوسکتا تھا؟

لیکن پھر ٹی وی آ گیا اور ہر شخص فرحتِ طبع کے لئے اب بیٹھک کے بجائے اپنے اپنے گھر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے کا عادی ہونے لگا۔ نشستیں ختم ہونے لگیں، اور ان نشستوں کے ٹوٹنے سے وہ سارا ماحول بھی ہمارے معاشروں سے رخصت ہوگیا جو ان کا مرہونِ منت تھا۔ کہا جانے لگا کہ ٹی وی سے ہمیں خبریں ملتی ہیں، مگر کس قسم کی خبریں؟ وہ خبریں جو ہمارے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے کسی کام کی نہیں۔ ٹی وی لوگوں کو یہ تو بتاتا ہے کہ بھارت میں کس فلمی ہیرو کی شا

www.KitaboSunnat.com

دی کس ہیروئن سے ہوئی، امریکہ میں لوگ روزانہ کتنے کتے خریدتے ہیں، مگر اُنہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تمہارے پڑوسی کس حال میں ہیں؟ بیچارہ ٹی وی کیا کرے، اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ وہی بات کہے گا جہاں سے اسے پیسے ملنے کی امید ہو، کیونکہ اس کا تو سارا دھندہ ہی اشتہاری کمپنیوں کے سرمائے کا فروغ ہے۔ ہم یہاں ٹی وی کے نقصانات کی بات نہیں کر رہے بلکہ معاشرتی مقاصد کے حصول کے ضمن میں اداروں کی بقا کی اہمیت وافادیت کی بات کر رہے ہیں، کیونکہ یہ ادارے ہی ہیں جو افراد کا تعلق کسی خاص مقصد سے منسلک اور قائم رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔

مثال ۳: عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ احسان الٰہی ظہیر، شورش کاشمیری، رشید ترابی، شفیع اوکاڑوی اور مولانا نورانی وغیرہ جب جلسہ عام میں خطابت کا جادو جگاتے تو لاکھوں کا مجمع سیلاب کی طرح اُبلنے لگتا، نعرے اور تحسین کی آوازیں بلند ہوتیں۔ جلسہ گاہ رزم گاہ کا منظر پیش کرتا ہے اور خطیب اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو آتش بجاں کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن یہی خطبا جب اپنی اپنی مساجد کے منبروں پر اسی رفتار وگفتار کے ساتھ جمعہ کے دن خطابت کرتے ہیں تو مجال ہے کہ مسجد میں کوئی شخص نعرہ لگادے، شور مچادے، یا تحسین وستائش کے ڈونگرے برسا دے۔ مسجد کا تقدس لوگوں کے جذبات کو سلب کرلیتا ہے، ان کے جذبات کو ایک خاص تنظیم کے سانچے میں ڈھال کر اُنہیں ساکت وصامت بنادیتا ہے۔ اس نظام کی روحانیت انسانی وجود کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتی ہے اور اس کے جذبات کو اس کے بدن سے خارج کرکے اسے بے بس کردیتی ہے، یہ مسجد کے ادارے کی روحانیت کا ثمر ہے۔

اسی طرح تراویح جب مسجد میں ادا کی جاتی ہے تو اس کا ماحول، نورانیت وروحانیت بالکل الگ ہوتی ہے، وقار، سکون، سنجیدگی، قلب کی آمادگی، دنیا سے فراغت کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ مسجد کی تراویح میں مسجد کے خدام بھی شامل ہوتے ہیں اور انتظامی عملہ بھی، مسجد اُنھیں اس عبادت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہیں بنتی وہ مسجد کی اجتماعیت اور اجتماعی عبادت کا حصہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہی تراویح جب مساجد سے نکل کر شادی ہالوں، کمیونٹی سینٹروں اور ہالوں میں چلی جاتی ہے تو اس کی روحانیت سلب ہوجاتی ہے۔ کچھ لوگ اس تقریب کے انتظامات میں مصروف ہوکر تراویح کی عبادت سے قصداً رضا کارانہ محروم ہوجاتے ہیں، کیونکہ کچھ ویڈیو بناتے ہیں، کچھ صوتی نظام چلاتے ہیں، کچھ کتابوں کے اسٹال پر بیٹھتے ہیں، کچھ کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، کچھ چائے بنانے کے انتظام میں مصروف ہوتے ہیں، کچھ تھک کر کرسیوں پر آرام فرما

www.KitaboSunnat.com

ہوکر چائے پی رہے ہوتے ہیں، کچھ ستانے لگتے ہیں، وقفوں میں چائے کا دور اور کھانے پینے کا سلسلہ چلتا ہے۔ نتیجتاً وہ روحانیت مفقود ہوتی ہے جو تراویح کا حاصل ہے۔

وجہ یہ ہے کہ مسجد کا ادارہ چھوڑتے ہی یہ روحانیت بھی رخصت ہو جاتی ہے، روحانیت اس خاص ڈھانچے کے اندر ہے، وہ ڈھانچہ نہیں رہے گا تو روحانیت بھی نہیں رہے گی اور دنیا کو، حرص وہوس کو اور لذتِ دنیا کو اس روحانیت میں دخل اندازی کی کھلی اجازت خود بخود مل جاتی ہے

مثال ۴: خانقاہ اسلامی معاشرت کا فطری ادارہ ہے جس کے ذریعے لوگ بچپن ہی سے اپنے بچوں کے تزکیۂ نفس کا سامان فراہم کرنے کے لئے اُنہیں کسی مردِ صالح کے ہاتھ بیعت کراکے ان کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دلاتے۔ خانقاہ درحقیقت ایک خود کار (automatic) صف بندی فراہم کرتی تھی جن سے منسلک ہونے کے نتیجے میں فرد اور معاشرہ اسلامی اقدار پر گامزن ہوجاتا۔ ایک طرف یہ خانقاہیں تبلیغ اسلام کے ذریعے غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانے کا سبب بنتیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو اچھا مسلمان بنانے کا نظام فراہم کرتیں۔ خانقاہی نظام میں فرد مردانِ حق کی صحبت کے ذریعے ایسے تعلقات کا پابند ہوجاتا ہے جو اسے اخلاقِ رذیلہ اپنانے سے روکتے ہیں، ہزاروں آنکھیں اس کا تعاقب کرتی ہیں کہ دن بھر وہ کیا کرتا رہا؟ خانقاہی نظام کے اس سلسلے کے ختم ہوجانے کے بعد اب مسلمانوں میں تزکیہ نفس کا کوئی ادارہ موجود نہیں رہا، کیونکہ ساخت ختم ہوتے ہی مقصد بھی فوت ہوجاتا ہے۔

ان تمام مثالوں میں نوٹ کرنے کی اہم بات یہ بھی ہے کہ ساخت کوئی غیر اقداری (value-neutral or objective free) شے نہیں ہوتی، بلکہ ہر ساخت ایک مخصوص مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہی مددگار ہوتی ہے۔ چوپالوں اور بیٹھکوں کے ذریعے مل جل کر رہنے کی معاشرت ہی کو عام کیا جاسکتا ہے، ان کے ذریعے اغراض پر مبنی معاشرت کبھی قائم نہیں ہوسکتی۔ علم تصوف کوئی ایسا غیر اقداری علم نہیں کہ جسکے ذریعے 'ہر قسم کی انفرادیت' کا فروغ ممکن ہوسکے بلکہ خانقاہی نظام کے ذریعے وہی شخصیت وقوع پذیر ہوتی ہے جس کی قلبی کیفیات کا نقشہ احادیث کی کتاب الرقاق میں کھینچا گیا ہے۔ خانقاہ درحقیقت صرف کسی جگہ کا نام نہیں بلکہ ایک مخصوص مقصد کے حصول کے لئے افراد کے تعلقات سے اُبھرنے والا ایک مکمل نظام ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ ہر ساخت افراد کے مخصوص مقاصد کو حاصل کرنے کی خاطر وضع کردہ تعلقات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ساخت اور روح کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ساخت ختم

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہی روح بھی تحلیل ہوجاتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ساخت ختم ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ افراد کے تعلقات کا وہ تانا بانا جو اس مقصد کے حصول کی ضمانت تھا، اب موجود نہیں رہا۔ کسی تہذیب کا زوال درحقیقت ان اداروں کی ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے عیاں ہوتا ہے جو ایک تہذیب کے مقاصد کے حصول کی خاطر افراد کے تعلقات کے نتیجے میں اُبھرتے ہیں۔

ٹی وی کی ساخت ومقصدیت اور دینی علم کا مزاج

اوپر دی گئیں مثالوں کا مقصد اس نقطے پر غور کی دعوت دینا ہے کہ کیا واقعی ٹی وی کی ساخت میں دینی تعلیم کا مقصد داخل کرنا ممکن ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ٹی وی کی ساخت اور مقصدیت پر غور کرنا ہوگا، یعنی پہلے اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ ٹی وی کیا ہے؟

بنیادی طور پر یہ بنئے کی دکان ہے جس کا کام سرمایہ داروں کی تیار کردہ اشیا کو اشتہارات کی لیپا پوتی کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنا کر بیچنا ہے۔ ٹی وی اور پرچون کی دکان میں اصلاً کوئی فرق نہیں، دونوں بازار میں اشیائے صرف وضرورت [consumer goods] بیچنے کے لئے بیٹھے ہیں۔

اگر آپ کو لگتا ہے کہ ٹی وی کے بارے میں ہماری یہ رائے محض جذباتیت اور خام خیالی ہے تو ٹی وی پر معاشی (economic) وکاروباری (business) نقطہ نگاہ سے غور کیجئے۔ معاشی نقطہ نگاہ سے کسی کاروبار میں وصولیوں (revenues) اور اخراجات (costs) کا حساب لگایا جاتا ہے۔ ٹی وی کے اخراجات کیا ہیں؟ اوّلاً: ایک ٹی وی چینل قائم کرنے کے لئے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے کی ضرورت ہوتی ہے، ثانیاً: ٹی وی پر نشر کئے جانے والے پروگرام بھی ٹی وی کے اِخراجات میں شامل ہوتے ہیں نہ کہ وصولیوں میں، کیونکہ ٹی وی ان پروگراموں (مثلاً ڈراموں وفلموں وغیرہ) کو قیمتاً خریدتے ہیں۔ ٹی وی کے پاس اِخراجات کی اتنی طویل فہرست پورا کرنے کا آخر ذریعہ کیا ہے؟ اس کا جواب ہے: اشتہارات، یعنی ٹی وی اپنے اِخراجات اشتہارات دکھا کر وصول کرتے ہیں۔

اگر معاشیات کا یہ مفروضہ درست ہے کہ کاروبار کا مقصد نفع کمانا ہے تو ظاہر بات ہے ٹی وی کا مقصد پروگرام دکھا کر اخراجات کرنا نہیں بلکہ اشتہارات دکھا کر روپے کمانا ٹھرتا ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا؟ ٹی وی کے نفع کا انحصار اس بات پر ہے کہ کتنی کمپنیاں اسے اشتہارات دینے پر تیار ہوتی ہیں اور زیادہ اچھے اشتہارات اسی ٹی وی چینل اور پروگرام کو ملتے ہیں جسے لوگ پسند کرتے

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ کمپنیاں اشتہارات پر روپے کیوں خرچ کرتی ہیں؟ اس لئے کہ عوام الناس ان کی زیادہ سے زیادہ اشیا خریدیں اور ان کے نفع میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ ایک فرد اس دھوکے میں مبتلا رہتا ہے کہ پچاس روپے ٹی وی لائسنس اور کیبل کی معمولی فیس دے کر اتنے سارے ٹی وی چینلز سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملنا مفت کا سودا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشتہاری کمپنیاں اشتہارات کے اخراجات کو اشیا کی قیمت میں شامل کر کے سب کچھ لوگوں سے وصول کرتی ہیں، گویا پورا معاشرہ مل کر ٹی وی، فنکاروں، اداکاروں اور کھلاڑیوں کو پالتا ہے۔ پروگرام ٹی وی چینلز کی پروڈکٹس ہیں جنہیں وہ اشتہارات کے عوض بیچ کر نفع کماتے ہیں۔

ٹی وی ایک ایسا نظام ہے جس کا مقصد تعلیم وتدریس، تبلیغ وتلقین یا تطہیر نفس نہیں بلکہ نفس پرستی حرص وحسد اور نفع خوری کے عموم کے لئے صنعتی اداروں کی اشیا کی فروخت ہے جو اشتہارات کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ اصلاً وعملاً ٹی وی مشتہرین (advertisers) کے دھندے کو پھیلانے اور کمپنیوں کے نفع میں اضافہ کرنے کا دھندہ ہے۔ جیسے پرچون کی دکان کے مالک کا اصل مقصد نفع کمانا ہوتا ہے نہ کہ کوئی مخصوص شے بیچنا، اسی طرح ٹی وی کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ کیا بیچ رہا ہے بلکہ اس کا مقصد وہ شے بیچنا ہے جس کے ذریعے اس کا نفع بڑھ سکے اور جو ٹی وی کو محض ذریعہ ابلاغ مان کر اسے علم دین کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ خوش فہمی کا شکار ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ٹی وی علم اور دین کے ذریعے بھی دھندہ کرنے اور کاروبار پھیلانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا، لہٰذا یہ رمضان میں دینی پروگرام پیش کر کے مال بناتا ہے۔ ٹی وی کے لئے ہر عالم کے دروازے کھلے ہیں بشرطے کہ وہ خود کو اس لائق ثابت کردے کہ اس کے ذریعے ٹی وی پیسے بنا سکتا ہے۔ اگر ٹی وی کو پتہ چل جائے کہ کسی عالم یا کسی عابد زاہد کے سامعین کی تعداد زیادہ ہے تو اس کے نام پر بھی ٹی وی والے اشتہارات کا دھندہ شروع کردیتے ہیں۔ ٹی وی پر یا اشیا فروخت ہوتی ہیں یا انسان۔ ٹی وی ایک مکمل نظام ہے جسے اگر نفع خوری اور لذت پرستی کے فریم ورک سے الگ کردیا جائے تو یہ سلسلہ ایک دن نہیں چل سکتا۔ آخر اشتہارات کے بغیر کروڑوں روپے کی لاگت کہاں سے پوری ہوگی؟ اور ان اشتہارات کا مقصد کمپنیوں کے نفع میں اضافے کے لئے صارفانہ معاشرت ومعیشت (consumer society) کے فروغ کے علاوہ اور کیا ہے؟

ٹی وی کی یہ حیثیت سامنے رکھنے کے بعد اب دینی تعلیم کے مزاج پر غور کریں۔ دینی تعلیم

www.KitaboSunnat.com

صرف 'کیا جاننا ہے؟' (what to know?) کا ہی نام نہیں بلکہ 'کیسے سننا اور بولنا؟' (how to listen and speak?) بھی اس کا لازمی جز ہوتا ہے، یعنی علم کا مافیہ (content) اور اس کے حصول کا طریقہ (medium) دونوں دینی تعلیم کا جزو لاینفک ہیں یہ دونوں جب تک اکٹھے رہتے ہیں، دینی علم کی روحانیت اور اثرات باقی رہتے ہیں جونہی آپ اُنہیں علیحدہ کریں گے، علم دین کی اثر انگیزی زائل ہوتی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ مدارس میں آج تک دینی تعلیم دینے کا رنگ ڈھنگ روایتی رکھا جاتا ہے، دین کے سیکھنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ طریقہ اختیار کئے بغیر دین نہیں مل سکتا۔ اسی لئے ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر کیسٹ کے ذریعے کوئی شخص دین کی روحانیت کا مکمل اِحاطہ، اِدراک، احساس، تصور اور اندازہ نہیں کر پاتا۔ وہ ادھورا رہتا ہے اس کا علم وفہم دین بھی اَدھورا ہی رہتا ہے۔ نماز جب گھر میں پڑھی جاتی ہے تو وہ اردگرد کے علائق سے شدید متاثر ہوتی ہے، لیکن جب مسجد کے پرسکون ماحول میں ادا کی جائے تو اس کی لذت، حاضری وحضوری کی کیفیت، روحانیت، قلبی حالت سب کچھ بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہ گھر اور مسجد کے سانچے اور ڈھانچے کا فرق ہے۔ ہمارے تمام علماء تہجد کے بعد تصنیف وتالیف کا کام کرتے تھے، اس وقت میں جو لذت، برکت، جمالیات اور سکون ہے اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس وقت مطالعہ کرے۔ ہمارے جید علماء کے کام میں جو برکت وروحانیت ہے، وہ تہجد اور فجر کی نماز کے بعد کی روحانیت کا فیضان ہے، عصر حاضر کے جدید یت پسند علماء اس فیض سے عاری ہیں۔

تبلیغ دین بذریعہ ٹی وی کے منفی اثرات

درج بالا بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم ٹی وی کے ذریعے علم دین پھیلانے کی کوششوں کی خرابیاں بیان کرتے ہیں۔ ٹی وی کی ساخت ومقصدیت تعلیم دین کے مزاج پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے، اس کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگائیے:

❁ ہر سوال کا جواب دینا اور اپنی علمیت کا بے جا اظہار کرنا ٹی وی کے نظام جبر کا حصہ ہے:

کبھی آپ ٹی وی پر 'عالم آن لائن' وغیرہ جیسے پروگراموں پر غور کیجئے جن میں لوگ سوالات پوچھتے ہیں اور علماے کرام جوابات دیتے ہیں۔ ان پروگراموں کا مقصد سائل کی فوری تسلی اور تشفی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر عالم 'ہر سوال' کا فوری جواب (instant answer) دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ٹی وی پر علماے کرام دین کی تبلیغ واشاعت سے زیادہ اپنے تبحر علم اور وسعت

www.KitaboSunnat.com

مطالعہ کے اظہار پر مجبور ہیں تاکہ ان کی علمیت وعظمت مسلم ہو جائے۔ اس کی وجہ علما کا کبر، ریا اور غرور نہیں بلکہ ٹی وی کے نظامِ جبر کا ڈھانچہ ہے۔ ٹی وی کے نظامِ جبر کا تقاضا یہ ہے کہ فون پر یا مجلس مکالمہ میں جیسے ہی کوئی سائل سوال پوچھے، متعلقہ عالم فوری جواب دے۔ اگر کسی عالم نے جواب دینے میں تامل کیا یا اسے تردّد ہوا یا اُس نے کہا کہ مجھے جواب معلوم نہیں تو وہ عالم خواہ کسی قدر جید، متبحر اور مسلمہ ہو، اسی لمحے عوام کی نظروں میں اپنا وقار، معیار اور اعتبار کھو دے گا، بے وقعت (discredit) ہو جائے گا اور ٹی وی انتظامیہ بھی اسے بے کار عالم قرار دے کر پروگرام سے خارج کر دے گی۔ اگر کوئی عالم کسی پروگرام میں ہر سوال پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تتبع میں احتیاطاً یہ کہتا رہے کہ ''میں نہیں، اللہ جانتا ہے''، یا سلف کی پیروی میں یہ کہہ دے کہ ''میں نہیں جانتا، آپ فلاں عالم سے پوچھیں'' یا ''میں نے اس مسئلے پر ابھی غور نہیں کیا'' یا یہ کہ ''میں اس مسئلے پر پچھلے کئی سال سے غور کر رہا ہوں، لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا'' یا یہ کہہ دے کہ ''میرے ساتھ اس پروگرام میں جو دوسرے عالم بیٹھے ہیں، وہ شاید اس کا بہتر جواب دے سکیں، میں متامل ہوں۔'' تو اسی لمحے اس عالم کی عزت، شہرت، حیثیت، مرتبہ، وقار، علم، تقویٰ، خشیت، علمیت نہ صرف عوام کی نظروں میں بلکہ اس کے اپنے اہل مسلک کی نظر میں بھی مشکوک ہو جائے گی۔

اب چونکہ ٹی وی دوکان ہے، لہٰذا دکان پر کسی گاہک کو انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ دکان بند کرنا ہوگی۔ پرچون کی دکان پر آنے والے ہر گاہک کو دکان والا مطلوبہ اشیا دے گا، اگر مطلوبہ اشیا نہیں ہیں تو اس کا متبادل دے گا۔ اگر چائے کا ایک برانڈ نہیں ہے تو دوسرا برانڈ دے گا یا کہے گا کہ اس چائے کا معیار صحیح نہیں ہے۔ ہم نہیں لے رہے یا آج کل مانگ زیادہ نہیں آ رہی وغیرہ۔ وہ کسی نہ کسی طرح گاہک کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا۔ گاہک بضد ہوا تو دوسری دکان سے وہ چیز منگوا لے گا، لیکن گاہک کو خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا، اسے اپنا اسیر بنا کر رہے گا۔

لیکن یاد رہے کہ علم اور اشیائے ضرورت میں بنیادی فرق ہے۔ عالم کا کام سائل کو خوش کرنا نہیں ہے۔ استفسارات اور سوالات کا جواب اگر معلوم ہے تو دیا جائے گا، اگر توقف ہے تو سائل کو وقت دیا جائے گا، کیونکہ ہر سوال محل تحقیق اور محل تفکر و تدبر و تجزیہ ہے۔ عالم پرچون فروش نہیں ہے کہ جو بھی گاہک آئے، اس کے سوال پر ایک پڑیا اسے تھما دے۔ جیسا گاہک ویسی پڑیا کا فلسفہ اقلیم علم میں نہیں چل سکتا۔ علم دکانداری نہیں، یہ منصبِ انبیا کی وراثت ہے جہاں خوف،

www.KitaboSunnat.com

حرص، حسد، طمع سے اوپر اُٹھ کر حق بات کا بیان ضروری ہے، خواہ اس حق کی زد، حق بیان کرنے والے پر پڑے۔ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو فقیہِ اُمت ہیں، اپنے علم وعمل وتقویٰ کے باوجود یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''میں نہیں جانتا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' اور اس جواب کو نصف علم قرار دیتے ہیں تو کیا اُمت میں اب کوئی ایسا عالم پیدا ہوگیا ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑا عالم ہو، جو ہر سوال کا جواب دے سکتا ہو اور کسی سوال کا جواب دینے میں اسے کوئی تردّد، تامل یا تکلف نہ ہو؟

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں کے ہر سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہے وہ پاگل ہے۔'' (کبیر)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نااہل سے علمی گفتگو نہ کرو، ورنہ وہ تمہی کو جاہل کہے گا۔ علم ہو یا دولت تم پر دونوں کے حقوق ہیں۔'' (دارمی)

''عوام کو ان کی عقل کے مطابق مسائل بتاؤ۔'' (بخاری)

دوسرے لفظوں میں ایسا نہ کرسکو تو خاموشی اختیار کرو۔ کیا ٹی وی پر خاموش رہنا ممکن ہے؟ فرمایا: جب تم لوگوں کے سامنے ایسی گفتگو کرو گے جو ان کی عقل کی رسائی سے باہر ہو تو وہ کچھ لوگوں کے لئے فتنہ بن جائے گی۔ (مسلم)

ٹی وی پر اس طرح کے مباحثے کرنا کہ خدا ہے یا نہیں؟ وجودِ خدا کیسے ثابت ہوتا ہے وغیرہ صرف فتنہ پردازی کے طریقے ہیں۔ دنیا کی بڑی اکثریت آج بھی وجودِ خدا کی قائل ہے، انکارِ وجودِ باری تعالیٰ دنیا، خصوصاً مسلم دنیا میں سرے سے کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔ ٹی وی پر اس قسم کے موضوعات کو اُٹھانے کا مقصد فکری انتشار پھیلانے، تفریح طبع مہیا کرنے اور اپنی علمیت کے اظہار کے سوا اور کچھ نہیں۔

❁ **ٹی وی کو لاؤڈ سپیکر جیسے آلہ ابلاغ پر قیاس کرنا درست نہیں:** پہلے لوگ علم دین حاصل کرنے کے لئے مقتدر اصحاب وعلما (authorities) سے رجوع کرتے تھے، اب علما خود عوام سے رجوع کررہے ہیں۔ وہ بھی ایک ایسے واسطے (medium) اور آلے کے ذریعے جس کی بنیاد شر، نفع خوری، لذت، مزے، چٹخارے، مال کمانے اور لوگوں کو بے وقوف بنانے پر رکھی گئی ہے۔ جس کا ہر پروگرام موسیقی سے شروع ہوتا اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ عریانی وفحاشی سے گزر کر ہی اسلامی پروگرام کا وقت آتا ہے اور دینی پروگراموں کے دوران بھی عریاں اشتہارات دکھائے جاتے ہیں۔ دین اور عالم دین ٹی وی پر فسق وفجور اور طغیان وعصیان کے درمیان گھرا ہوتا ہے

www.KitaboSunnat.com

لیکن وہ عالم اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں صحرا میں اذان دے رہا ہوں۔ ٹی وی پر دینی پروگرام کا انعقاد صرف ایک سادہ سا مسئلہ نہیں ہے۔ ٹی وی ایک کلی (totality) ہے جبکہ دینی پروگرام محض اس کا ایک جز (part) اور وہ بھی لاغر و معطل جز۔ ایک جز کے اچھے ہونے کی بنیاد پر کل اچھا نہیں ہوجاتا، تھوڑا بہت خیر تو دنیا کی ہر شے میں دکھایا جاسکتا ہے۔ ٹی وی ایک مکمل پیکیج کے ساتھ آپ کو دینی پروگرام دیتا ہے جس کے نتیجے میں دینی پروگرام کی اہمیت ہی ختم ہوجاتی ہے اور ٹی وی کی تہذیب وثقافت اس فرد کا احاطہ کرلیتی ہے، یہ ٹی وی جیسے کاروباری ادارے کی ماہیت، حقیقت، اصلیت کے پیکیج کا کمال ہے!

لوگ ٹی وی کو لاؤڈ سپیکر کی مانند ایک مشین اور آلہ سمجھتے ہیں جبکہ یہ ایک نظام ہے اور ایک بڑے سرمایہ دارانہ نظام کا ایک پرزہ۔ ظاہری مماثلتوں (superficial similarities) کی بنیاد پر کسی شے کو کسی دوسری شے پر قیاس کرنا غیر علمی طرزِ عمل ہے۔ ایک ثقافتی طائفے (art club) میں شامل ہوکر اشعار پڑھنے، ہجو کہنے، خطابت کرنے اور ڈھول بجانے کو میدانِ جنگ کے طبلِ جنگ سے تشبیہ دے کر اسلامی روایت قرار دینا جہالت ہے۔ میدانِ جنگ میں ڈھول بجانا، رِجزیہ اشعار پڑھنا، ہجو کہنا اور خطابت کا صور پھونکنا، دو مختلف وسیلے (medium) اور راستے (ways) ہیں۔ میدانِ جنگ میں کوئی غیر پاکیزہ جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ زندگی اور موت کی دہلیز پر ڈھول بجانے والا اور جنسی جذبات مشتعل کرنے کے لیے آلاتِ موسیقی استعمال کرنے والے ثقافتی طائفے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ظاہری مماثلتوں کی بنیاد پر ہی فیصلے ہوں تو عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلافات کی کیا ضرورت ہے؟ دونوں حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لاتے ہیں، لیکن کیا عیسائی جس حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں، مسلمان بھی اسی تصورِ عیسیٰ پر ایمان لاتے ہیں؟ باوجود اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطورِ جسمانی وجود ایک معین شخصیت ہیں، لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کے تصورِ مسیحیت میں زمین آسمان کا فرق ہے، ہماری مابعد الطبیعیات میں وہ ایک رسول بشر جبکہ ان کے ہاں خدا ہیں۔ ظاہری مماثلت کی بنیاد پر کیا وہ مابعد الطبیعیاتی اختلافات اور تصورِ علمیت ختم ہوجاتے ہیں جو صدیوں سے چلے آرہے ہیں؟ اگر ظاہری مماثلت سے اختلافات حل ہوسکتے تو عیسائیت سے اسلام کے اختلافات ابھی تک حل ہوجاتے۔

اب ایک عملی مثال لیجئے: فرض کریں، کوئی شخص صحابہ کرامؓ کی گھوڑ دوڑ اور نیزہ بازی اور چند

www.KitaboSunnat.com

دیگر کھیلوں کی بنیاد پر دورِ جدید کے اولمپک گیمز اور عالمی کھیلوں کے مقابلوں کا اِثبات کرنے لگے تو ایسے قیاس کو قیاس مع الفارق نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ اس شخص کا قیاس اس مفروضے پر مبنی ہے کہ موجودہ کھیل کی نوعیت بھی ویسی ہی ہے جیسی صحابہؓ کے کھیلوں کی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ کھیل صرف کھیل نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کا ایک معاشرتی ادارہ (social institution) ہیں، جن کی حیثیت اَربوں ڈالر سرمائے والی ایک انڈسٹری کی ہے، جس کے بقا کے لئے ضروری ہے کہ کچھ لوگوں کی زندگیوں کا مقصد ہی کھیلنا بن جائے یعنی کھیل ہی ان کی پہچان (profession) ہو اور عوام الناس دنیا و آخرت سے بے پرواہ ہوکر جنونیوں کی طرح کھیلوں کے تماش بین بن کر اَربوں ڈالر اُن پر برباد کردیں۔ اور تو اور حکومتوں کا بھی یہ بنیادی وظیفہ ہو کہ وہ کھیلوں کے فروغ کے لئے سہولتیں فراہم کرے تاکہ عوام الناس ان میں مشغول ہوں اور اپنی نسلوں کو جہنم کی تیاری کرنے کے لئے کھلاڑی بنانے پر راغب ہوں وغیرہ وغیرہ۔ آخر کھیل ایک 'وقتی شخصی تفریح' اور 'کھیل ایک معاشرتی ادارے' میں کیا مماثلت ہے؟

اسی طرز کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بخاری شریف کی کتاب الحدود میں ایک ایسے صحابیؓ کا ذکر موجود ہے جو رسالتِ مآب ﷺ کی فرحتِ طبع کی خاطر مزاح فرماتے۔ اب فرض کریں کوئی شخص ان صحابیؓ کے عمل کو بنیاد بنا کر معاذ اللہ موجودہ دور میں مزاحیہ اداکاری (comedy) کی پوری انڈسٹری کو 'اسلامی' ثابت کرنے لگے تو ایسے اجتہاد کو فساد نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ بالکل اسی طرح ٹی وی کو لاؤڈ سپیکر پر قیاس کرنا اسی قسم کے قیاسات مع الفارق جیسی ایک مثال ہے۔ یہیں سے یہ نقطہ بھی صاف ہوجانا چاہئے کہ ہیومن رائٹس کی بعض شقوں کی اسلام سے مماثلت تلاش کر کے اُنہیں خطبہ حجۃ الوداع سے ماخوذ قرار دینا سراسر غیر علمی رویہ ہے!

❁ **ٹی وی پر تبلیغِ دین 'اسلام' کی بجائے عوام اور منتظمین کی خواہش کے مطابق:** پھر بذریعہ ٹی وی تبلیغ کے اس پہلو پر بھی سوچنا چاہئے کہ تبلیغ دین کے لیے تبلیغ کے طریقے کی بہت اہمیت ہے، یعنی تبلیغ کہاں کی جائے؟ کسے کی جائے؟ کس طرح کی جائے؟ کس وقت کی جائے؟ کس بات کی تبلیغ کی جائے؟ مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ٹی وی پر یہ فرق برقرار رکھنا ناممکن ہے اور مقرر کو یہ مفروضہ ماننا پڑتا ہے کہ تمام سامعین کی ذہنی سطح یکساں ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھنا تو ایک طرف ٹی وی پر تو پروگرام بھی آپ کی مرضی کا نہیں ہوتا۔ ٹی وی والا آپ کو وہی موضوع دے گا جس کو وہ درست سمجھے گا، آپ تو صرف ان کے حکم کی

www.KitaboSunnat.com

تعمیل کریں گے۔علماء کو ٹی وی والے بتائیں گے کہ آپ کو کس موضوع پر بولنا ہے، کب تک بولنا ہے، کس اشتہار پر وقفہ کرنا ہے، کن مصنوعات کو فروخت کرنے کے لیے آپ کو اور آپ کے پروگرام کو استعمال کیا جائے گا اور کب آپ نے کہنا ہے کہ ''آیئے! اب ہم وقفہ لیتے ہیں۔'' سوچئے تو سہی اس سارے عمل میں آپ کی حیثیت کیا ہے؟ آپ کہاں کھڑے ہیں؟ کیا آپ ایک تابع مہمل کے سوا بھی کچھ ہیں؟ یہ بات علما طے کریں گے کہ عوام کو کیا بتانا ہے یا اشیا کی فروخت کا دھندہ کرنے والے ٹی وی کے جہلا علمائے کرام کو بتائیں گے؟

دیکھئے یوں تو دین کے مآخذ چار ہیں: قرآن وسنت، اجماع وقیاس، لیکن ٹی وی پر دین کے مآخذ صرف دو رہ جاتے ہیں۔ یہ دو مآخذ بھی شو بزنس سے متعلق ہیں یعنی اسلامی موضوعات پر بولنے والے مقرر کا انداز بیان (style of talking) اور گفتگو میں بے پناہ اعتماد (confidence)۔ جو شخص بھی لچھے دار گفتگو کرنے کا ماہر ہو، اپنے جہل پر نہایت اعتماد کے ساتھ قائم ہو کر گفتگو کر رہا ہو، وہی کامیاب مقرر قرار پاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کے علم و جہل کا تعین نہ اس کے اندازِ بیان سے ہوتا ہے اور نہ ہی اعتماد سے بلکہ اس کا تعلق اس کے دلائل کے وزن سے ہوتا ہے۔ اور یہ فیصلہ کہ کس کا علم اور دلیل وزنی ہے، عوام کا کام نہیں، علما کا کام ہے۔ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ عوام یہ بتا رہے ہیں کہ عالم کون ہیں، جو جتنا چرب زبان اور پر اعتماد ہے، وہی سب سے بڑا عالم ٹھہرتا ہے۔ جاہلوں کو ان کی فنکاری کی بنیاد پر عالم ثابت کرنا ٹی وی کا کمال ہے۔ ٹی وی کے عوامی سروے بتاتے ہیں کہ کون سا عالم بڑا عالم ہے، کیونکہ کسی آدمی کے بڑے ہونے کا (سرمایہ دارانہ) طریقہ یہ ہے کہ اسے کتنے عوام پسند کرتے ہیں اور اس پروگرام کو کتنے ادارے اشتہارات دیتے ہیں۔ لہٰذا ٹی وی کے جس دینی پروگرام کو زیادہ کاروبار ملے اور جس پروگرام پر عوام کا ردّعمل سب سے زیادہ آئے، وہی اصلی اور حقیقی عالم ہے اور وہی پروگرام اصلی دینی پروگرام ہے۔

❁ **تبلیغ دین کا اپنا ایک مزاج ہے جو ٹی وی ماحول سے قطعی مختلف ہے:** ٹی وی کی ساخت ومقصدیت کو نظر انداز کر کے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ٹی وی کے ذریعے بڑے پیمانے پر دعوت پھیلائی جاسکتی ہے۔ ایک لمحے کے لئے مان لیں کہ واقعی لاکھوں لوگ سنجیدگی کے ساتھ دینی پروگرام دیکھتے ہیں، لیکن پھر بھی علم دین کے مزاج اور تبلیغ دین کے طریقے کی اہمیت کیسے نظر انداز کر دی جائے؟ دیکھئے عوام الناس کی بڑی اکثریت کھیلوں کے مقابلے دیکھنے میدانوں میں

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے، تو کیا اکثریت تک دین پہنچانے کے جوش میں علما ان مراکز پر وعظ ونصیحت کی مجالس آراستہ کریں کہ لوگ کھلاڑیوں کے مقابلوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ فہم دین بھی حاصل کریں؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس طرح بھی کچھ نہ کچھ دینی مزاج تو بن جائے گا اور اس میں کیا ہرج ہے؟ بڑے بڑے کنسرٹ، بیلے ڈانس کی تقاریب، فیشن شو کے باہر اسلامی کتابوں کے اسٹال لگانے سے کیا دین پھیل جائے گا؟

یہ اسی طرح کی کوشش ہے کہ سٹی گورنمنٹ، کراچی نے ساحل سمندر پر 'فوڈ فیسٹیول' لگایا تو اس میں کراچی یونیورسٹی کی کتابوں کا بھی ایک اسٹال لگا دیا گیا جس پر صرف دس آدمی تشریف لائے۔ کیا فوڈ فیسٹیول کے مصالحے دار چٹخارے والے ماحول میں کتابوں کی طرف توجہ کی کوئی گنجائش رہ سکتی ہے؟ مسجد، گھر اور بازار میں نماز پڑھنے کا جو فرق ہے وہ ذریعے (medium) کا ہے۔ کسی پیغام کی ترسیل کے لئے ذریعے کی اہمیت پیغام سے کم اہم نہیں۔ ذریعہ بدلنے سے پیغام کی ماہیت، شدت، اصلیت، حقیقت، کیفیت اور اثر بدل جاتا ہے۔

ذریعے کی اہمیت ماضی کے گلوکار جنید جمشید سے سیکھئے۔ ایک ٹی وی انٹرویو میں ان سے پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ کو اتنی عمدہ آواز دی ہے۔ آپ گاتے ہیں تو لگتا ہے کہ آپ کے گلے میں بھگوان بول رہا ہے، آپ کی آواز نغمہ داؤد کی یاد دلاتی ہے، آپ کا لحن دلوں کی دنیا بدل دیتا ہے تو آپ گائیکی کے ذریعے تبلیغ دین کا فریضہ کیوں انجام نہیں دیتے؟ ہماری تاریخ میں بھی اسکی مثالیں ملتی ہیں جیسے شاہ لطیف بھٹائی وغیرہ جیسے صوفی جو اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو موسیقی کے ذریعے پہنچاتے تھے۔ مریدانِ رومی جن کا رقص دل کی دنیا بدل دیتا ہے، قوالی کی روایت جو روح کی تاروں کو چھیڑتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

جنید جمشید نے برجستہ جواب دیا کہ ہماری تاریخ میں تبلیغ، تعلیم، تدریس اور دعوت کا کام کبھی گائیکی، سارنگی اور طبلے وغیرہ سے نہیں ہوا۔ اس کام کا ایک خاص اُسلوب، ماحول اور طریقہ کار ہے۔ ہم نے تاریخ کے سفر میں یہی دیکھا ہے کہ داعی لوگوں تک دین کی دعوت اپنے قول وعمل سے پہنچاتا ہے، فیسٹیول منعقد کرکے یا ڈھول، باجے اور گائیکی کی سائیکی (نفسیات) کے ذریعے تبلیغ دین کی روایت سے ہماری تاریخ خالی ہے۔

تبلیغ، تدریس، دعوت وتعلیم کے لئے جو طریقہ (procedure) اور ذریعہ (medium) سنتِ رسول اللہ ﷺ وصحابہؓ، اجماعِ علما اور تعاملِ اُمت سے نسل در نسل ہم تک منتقل ہوا ہے، اس

www.KitaboSunnat.com

میں گا بجا کر، مٹک کر، آلاتِ موسیقی کے ذریعے دعوتِ دین کی کوئی روایت نہیں ملتی، ایک آدھ استثنا حجت نہیں ہے۔

افسوس کہ ایک سابقہ گلوکار دین کی ترسیل، تعلیم، تبلیغ اشاعت کے سلسلے میں اختیار کیے جانے والے ذریعے کے بارے میں ہمارے جدیدیت پسند علماء سے زیادہ فہم دین رکھتا ہے۔ فرض کریں ملکہ ترنم نور جہاں کی آواز سے اگر کفار دعوتِ ایمان قبول کر بھی لیں تو ایمان کا اصل ذریعہ تو نور جہاں کی آواز ہے، اللہ کا پیغام توحید نہیں ہے!

کسی کی خوبصورت آواز پر ایمان لانے والا اس سے زیادہ خوبصورت آواز سن کر اپنا ایمان لمحوں میں بدل سکتا ہے۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں وہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عیسائی کی بیٹی نے کسی خوش الحان مؤذن کی آواز سن کر اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن ایک بدآواز مؤذّن کی اذان سن کر ایسے دین سے توبہ کرلی جس کی اذان ایسی کرخت آواز میں ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ و تہذیب میں لوگوں کا دینی مزاج اس طرح تیار کرنے کی کوئی روایت نہیں ملتی۔

یہ وہی حکمتِ عملی ہے جو ساٹھ کے عشرے میں عیسائیوں نے اختیار کی تھی۔ کلیسا میں عبادت کے لئے نوجوان لڑکے لڑکیاں نہیں جاتے تھے تو عیسائی راہبوں نے کلیسا کے ساتھ سستے قحبہ خانے [Pub] کھول دیے، لیکن اس کا راستہ کلیسا کے اندر سے گزر کر جاتا تھا۔ عیسائی قدامت پسندوں نے اعتراض کیا تو عیسائی علما نے جواب دیا: کم از کم نوجوان اس راستے سے گزر کر قحبہ خانے جائیں گے تو اُنہیں کلیسا، خدا، مریمؑ وعیسیٰؑ تو یاد رہیں گے، ہوسکتا ہے اس راستے پر وہ پلٹ آئیں۔

❁ **علم کو اشتہار بازی اور عوامی پسند ناپسند کے بل پر عام کرنا اس کی توہین ہے:** ٹی وی کو دکان اور فروخت کے عمل کے بجائے ذریعۂ تعلیم و تدریس و تربیت سمجھنا سادہ لوحی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ علم مصنوعات کی اشتہار بازی کے ذریعے عام کیا جائے اور تعلیم و تدریس سے پہلے یا اس کے بعد یا اس کے دوران وقفے وقفے سے تعلیم و تدریس کا عمل روک کر لوگوں کو اشتہارات دکھائے جائیں۔ اس قسم کے پروگرام سے کوئی سنجیدگی، وقار اور علمیت نہیں پھیل سکتی کیونکہ یہ علم کو پراگندہ کرنے، آوارہ بنانے، چھچھورپن کی سطح پر لے جانے، اس کے وقار کو ختم کرنے، اس کی اہمیت کو کم کرنے اور اسے لفنگے پن کے عمل کا حصہ بنا دینے کی کوشش ہے، اور کہنا پڑتا ہے کہ نہایت کامیاب کوشش ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مثلاً ٹی وی پر اور اخبارات میں جیو کا ایک اشتہار شائع ہوا جس میں مفتی رفیع عثمانی صاحب کی تصویر کے بالکل برابر ایک ماڈل گرل کی تصویر دکھائی جارہی تھی۔ ٹی وی بنیادی حقوق کے ڈھانچے (Frame work) میں چلتا ہے اور اس منہاجِ علم میں مفتی رفیع عثمانی اور ماڈل گرل میں کوئی فرق نہیں، دونوں انسان ہیں، برابر ہیں، آزاد ہیں اور اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے کسی حکم کے پابند نہیں۔ کیا یہ قابل قبول صورتِ حال ہے؟ کیا دین اور عالم دین اسی کام کے لئے رہ گئے تھے؟ ٹی وی پر درس قرآن یا دینی پروگرام سے پہلے، اس کے بعد اور درمیان میں جس قسم کی اشتہار بازی ہوتی ہے، اسے کون نہیں جانتا؟ ایک عام مسلمان کی غیرتِ ایمانی بھی یہ گوارہ نہیں کرسکتی کہ لوگ ابھی درسِ قرآن سنیں اور اس کے ساتھ ہی طوائفوں کا نظارہ بھی کریں۔

دین کی ایسی بے توقیری تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ دینی کاموں سے برکت اُٹھ گئی ہے۔ خطابت بہت ہے مگر اثر پذیری برائے نام بھی نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس میں روزانہ سینکڑوں لوگ توبہ کرتے اور سینکڑوں اپنی زندگیاں بدل لیتے، لیکن ٹی وی کے دینی پروگرام سن کر ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ٹی وی کا کمال ایک ایسا دینی مزاج پیدا کرنا ہے جو رنگ رلیوں، ہلے گلے، مستی، موج میلے کو بھی دین کا حصہ سمجھے اور یہی مغرب کو مطلوب ہے۔

❁ **علم پوری توجہ وانہماک اور معلم سے تبادلہ خیال کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے:** تبلیغ، تعلیم اور دین کی تدریس تاریخ میں کبھی اس طرح نہیں ہوئی کہ انسان حواسِ خمسہ کے بجائے صرف دو حواس یعنی سماعت اور بصارت سے کام لے۔ ٹی وی دیکھنے میں صرف دو حواس کام کرتے ہیں باقی سارا انسانی وجود معطل ہوکر رہ جاتا ہے۔ تبلیغ، تعلیم و تدریس کے عمل میں کبھی یہ نہیں ہوا کہ مخاطب بولنے والے سے براہِ راست تعلق نہ رکھے اور اس سے براہِ راست سوال نہ کرسکے۔ اس عمل میں کبھی یہ موقع نہیں آیا کہ سننے والا پیر پھیلا کر بیٹھا ہوا ہے، بستر پر لیٹا ہوا ہے، کھانا کھا رہا ہے، چائے پی رہا ہے، باتیں کر رہا ہے، ٹیلی فون سن رہا ہے، دنیا کا ہر کام کر رہا ہے اور دینی پروگراموں میں وعظ ونصیحت بھی سن رہا ہے۔ ارتکازِ توجہ کے بغیر نہ دین ملتا ہے، نہ دنیا۔ اگر کوئی شخص دنیا یا دین دونوں میں سے کچھ حاصل کرنا چاہے تو اس کے حصول کی خاطر کچھ نہ کچھ دیر کے لیے دنیا ترک کرنی پڑتی ہے۔ تبلیغ و تدریس و تعلیم کے دوران خواہ وہ دین کی ہو یا دنیا کی طالب علم کو اس مختصر عرصے کے لیے دنیا کے علائق سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔

اسکول میں تعلیم کے دوران بات کرنے، کھانے پینے اور فون سننے کی اجازت کیوں نہیں

www.KitaboSunnat.com

ہوتی، لیکن ٹی وی سے دینی پروگرام جب نشر ہوتے ہیں تو کیا سننے والا اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اس فیض سے اثر حاصل کر سکے؟ حصولِ علوم خواہ وہ دینی ہو یا لادینی، اس کا ایک خاص طریقہ ہے، اس طریقے کو اختیار کیے بغیر نہ دین ملتا ہے اور نہ ہی دنیا ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں Virtual Universities کا تجربہ خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا، کیونکہ تعلیم کبھی فاصلاتی طریقے سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ علم کا حصول اُستاد کی صحبت، فیضانِ نظر اور عطا کے بغیر ممکن نہیں۔ ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے بھی حصولِ علم کے تجربے کامیاب نہیں ہو سکے، جب دنیاوی علم (material knowledge) ٹی وی اور ویڈیو سے حاصل نہیں ہوسکتا تو اسے دینی تعلیم کے فروغ کا ذریعہ سمجھنا محض عامیانہ نقطہ نظر ہے۔

دین سیکھنے یا سکھانے سے آتا ہے۔ یا تو کوئی خلوص سے سیکھنا چاہے یا کوئی خلوص سے سکھانا چاہے۔ اس دوطرفہ عمل میں فریقین کے اندر کسی ایک فرد کا مخلص اور محنتی ہونا ضروری ہے جبکہ ٹی وی کے ذریعے رابطے میں خلوص نامی شے کا وجود ہی ناممکن ہوتا ہے۔ اگر کسی بزرگ کی محفل ذکر کو ٹی وی پر دکھایا جائے تو اس میں سمع و بصر کے سوا کوئی حس حصہ نہیں لے گی لہٰذا اس محفل کا اثر ناظرین محسوس ہی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے بہت سے وعظ، گفتگو اور تقریریں جو بہت عمدہ ہوتی ہیں جب کیسٹ اور ٹی وی پر ریکارڈ کر کے سنی جاتی ہیں تو وہ نہایت کمزور اور بے اثر لگتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ گفتگو کرنے والے کی شخصیت اپنے وجود اور روحانیت کے ساتھ آپ سے مکالمہ کرتی ہے اور آپ خود بھی اپنے حواسِ خمسہ، عقل، وجدان، جذبات، احساسات، میلانات، روح کے تاروں اور دوسری تمام خصوصیات کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوتے ہیں، لہٰذا اس اثر کا ابلاغ ٹی وی اور ویڈیو کیسٹ سے نہیں ہوسکتا۔ یہ تو صرف زندہ صحبت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تزکیۂ نفس کے لئے کسی زندہ شخص کی شاگردی اور صحبت اختیار کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

جو شخص دین سیکھنے کے لیے محنت نہیں کرنا چاہتا اور جو عالم دین سکھانے کے لیے مشقت پر آمادہ نہیں، دونوں دنیا کے محروم ترین انسان ہیں۔ دین، علم و تعلّم، کیپسول نہیں ہے کہ اسے دے دیا جائے، یہ حکیم کی پڑیا نہیں ہے کہ پھانک لی جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ دین سیکھنے کے لئے وقار اور صبر ضروری ہے۔ ایک شخص جو پہلو بدل بدل کر چینل بدل رہا ہے، چائے پیتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں سوال آیا اس نے فون اٹھایا اور 'عالم آن لائن' سے سوال کر لیا، سوال کرنے کا یہ طریقہ ہی درست نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

پھر سوال، استفسار اور اعتراض میں بھی فرق ہے۔ سائل کون ہے، مقصد حصولِ علوم ہے یا محض تفریح، اس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب پیاسا کنویں کے پاس آئے گا، جب کنواں پیاسے کے پاس جا کر اسے زبردستی سیراب کرنے لگے تو یہ افسوسناک صورت حال ہوگی۔ دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کبھی نہ اس طرح دینی علم کی اشاعت ہوئی نہ دنیاوی علم پھیلا۔ علم کے حصول کے لئے یا تو سائل کو آنا ہوگا یا عالم کو لوگوں تک پہنچنا ہوگا جس طرح تبلیغی جماعتیں دنیا کے کونے کونے تک دین کی اشاعت کے لئے جاتی ہیں، لوگوں کو مسلمان رکھتی اور مسلمان کرتی ہیں۔ دین و دنیا مشقت سے ملتے ہیں دین حاصل کرنے والے کو بھی مشقت اُٹھانی پڑے گی اور دین پہنچانے والے کو بھی مشقت کرنا ہوگی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک بٹن دبا کر علم مل جائے، اگر ایسا ہوسکتا تو تمام اسکول، کالج و یونیورسٹیاں بند کردی جاتیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو رہا۔ تو پھر اہل دین، دین کو اس شر انگیز ذریعے سے دین پہنچانے کے لیے کیوں آمادہ ہیں؟

❁ **تبدیلی براہِ راست فرد سے رابطے سے ہی پیدا ہوتی ہے:** یہ مفروضہ بھی محل نظر ہے کہ ٹی وی کے ذریعے لاکھوں لوگوں کو دینی تحریکات کا ہم نوا بنایا جاسکتا ہے۔ دیکھئے انبیا کا طریقہ فرد سے خطاب ہے۔ جدید ابلاغیات کے نظریات میں Inter Personal Communication Theory سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ فرد سے ملاقات، فرد سے رابطہ، فرد کے دروازہ دل پر دستک دینے سے فرد میں کیا تبدیلی آتی ہے؟ ٹی وی، ملٹی میڈیا، اخبارات، پمفلٹ، کتاب، پوسٹر، ہینڈ بل، کیسٹ ویڈیو کے ذریعہ تبلیغ دین میں کیا کیا مشکلات، رکاوٹیں اور موانع ہیں، اس کی چھوٹی سی مثال تبلیغی جماعت، دعوتِ اسلامی، جماعتِ اسلامی، تنظیم اسلامی اور دانش سرا وغیرہ کی اِبلاغی اور ثقافتی حکمتِ عملی کے تقابلی مطالعے سے واضح ہوسکتی ہے۔ جماعتِ اسلامی، تنظیم اسلامی اور دانش سرا جدید سائنس و ٹیکنالوجی سے حاصل اِبلاغی انقلاب کے ذریعے لوگوں تک پہنچنے اور انبوہِ کثیر کو اس ذریعے سے جمع کرنے کو عین اسلامی انقلابی دینی رویہ سمجھتے ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ سب سے کم حاضری ان اداروں کے سالانہ اجتماعات میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دعوتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے کسی مظہر سے استفادہ نہیں کرتیں اور وہ انبیاے کرام کے طریقہ تبلیغ یعنی فرد سے رابطہ، فرد سے خطاب کے ذریعے فرد کی تبدیلی پر یقین رکھتی ہیں۔ وہ تصویر، ٹی وی، میڈیا، پمفلٹ، ہینڈ بل، پوسٹر، ملٹی میڈیا، ویڈیو فلم جیسے کسی ذریعے کو تشہیر، تبلیغ، تدریس و تعلیم کے لیے استعمال نہیں کرتیں، لیکن دنیا میں حج کے بعد سب سے بڑے

www.KitaboSunnat.com

اجتماعات اِنہی جماعتوں کے ہوتے ہیں اور صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک میں ان کے اجتماعات سب سے بڑے ہوتے ہیں۔ جو لوگ میڈیا کے کمالات اور فوائد کی باتیں کرتے ہیں، وہ بتائیں کہ آخر میڈیا پر جان نچھاور کرنے والی دینی جماعتیں اپنے سالانہ اجتماعات میں کروڑوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ایک لاکھ آدمی بھی کیوں جمع نہیں کر پاتیں اور دعوتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت ایک پیسہ خرچ کئے بغیر کئی کئی لاکھ آدمی کیسے جمع کر لیتی ہیں؟ ایسے افراد کو میڈیا کے قصیدے پڑھنے کے بجائے ان جماعتوں کی حکمتِ عملی پر غور کرنا چاہئے۔

❁ **ٹی وی پر آزادانہ تبلیغ کا تصور سراب سے زیادہ نہیں:** یہ بھی محض ایک مفروضہ ہی ہے کہ ٹی وی 'ہر بات' کہنے کی اجازت دیتا ہے۔ حال ہی میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ ایک آیت کے شانِ نزول کی وضاحت کے سلسلے میں ہونے والا سلوک اس مفروضے کی مضحکہ خیزی بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ ٹی وی چینل صرف وہی بات کہنے کی اجازت دیتا ہے جو زیادہ منافع کے ساتھ بکنے کی اُمید ہو، جس بات سے عوام ناراض ہوتے ہوں، اسے ہرگز ٹیلی کاسٹ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس ٹی وی کا کمال ہے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور اسلامی تحریک کا ایک پرخلوص رہنما ٹی وی پر مجرموں کی طرح کھڑا عوام سے معافی مانگ رہا تھا۔ سرمایہ داری کا ہر اِدارہ عوام کی بالادستی کو ممکن بنانے کا سامان فراہم کرتا ہے، یہ مقصدیت اس کی ہر ساخت میں رچی بسی ہے اور اسے کسی صورت اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

جو بات ڈاکٹر صاحب نے ٹی وی پر کہی، وہی بات اگر آپ اپنے حلقہ احباب میں کہتے تو کیا ایسا ہوتا کہ افراد اُٹھ کر ڈاکٹر صاحب کے خلاف سراپا احتجاج بن کر آپ سے معافی کا مطالبہ کرتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ روایتی طریقہ علم میں عالم اور صوفی مرشد و پیر ہوتے ہیں جبکہ ٹی وی پر وہ ٹی وی مالکان اور عوام کے مرید بن جاتے ہیں۔

ٹی وی کس طرح مذہب کی بنیادی دعوت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کا اندازہ امریکہ میں اوینج لیکل (evangelical) عیسائیت کے ساتھ ہونے والے سلوک سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اوینج لیکل عیسائیت کا ایک راسخ العقیدہ فرقہ تھا جس کی تبلیغ کا آغاز اُنیس سو چالیس کی دہائی میں بلی گراہم (Billy Graham) نے کیا۔ گراہم بنیادی طور پر نہایت متشدد عیسائی تھا، اس کا ایمان تھا کہ راسخ العقیدہ (conservative) پروٹسٹنٹ کے علاوہ کوئی گروہ جنت جانے کا حقدار نہیں، اس کی دعوت کا بنیادی نقطہ گناہوں سے بھری امریکی معاشرت سے بغاوت تھی۔ اپنی اس متشدد

www.KitaboSunnat.com

(radical) دعوت کے نتیجے میں گراہم کی عوامی شہرت میں اضافہ ہونے لگا۔ لیکن پھر اسے امریکی ٹی وی کے ذریعے عوام الناس تک اپنا پیغام پہنچانے کی سوجھی اور نتیجتاً وقت گزرنے کے ساتھ اس کی دعوت کے تیور بدلنے لگے۔ چند ہی دہائیوں میں اس کی دعوت راسخ العقیدہ عیسائیت کے فروغ کے بجائے کثیر الانواع تصوارتِ خیر (pluralism) پر مرکوز ہوکر رہ گئی۔

وہ عیسائیت کے معاشرتی غلبے کے ایک پرجوش حامی کے بجائے ہر امریکی صدر کا خواجہ سرا دکھائی دینے لگا۔ وہ شخص جو کبھی گناہوں بھری امریکی زندگی پر کڑی تنقید کیا کرتا تھا، کلنٹن کے مونیکا کیس پر کان لپیٹ بیٹھا رہا۔ اس کی تبدیلی کی وجہ صرف یہ تھی کہ گراہم جان گیا تھا کہ کیا چیز ٹی وی پر بکتی ہے اور کیا نہیں؟ اچھے سے اچھا عالم بھی ٹی وی کے نظامِ جبر کے سامنے اس طرح مجبور، بے بس، بے کس، بے نوا اور بے وفا ہو جاتا ہے کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس کی وفاداری صرف ٹی وی سے باقی رہ جاتی ہے اور اس کا مطمع نظر یہ ہو جاتا ہے کہ یہ آلہ ہماری پہنچ میں رہے تاکہ خیر عوام تک پہنچانے کا ذریعہ محفوظ رہے، چاہے اس ذریعے کی حفاظت کرنے کے جنون میں مقصد ہاتھ سے نکل جائے۔

چند لوگ بظاہر ٹی وی کے بے تاج بادشاہ دکھائی دیتے ہیں کہ جو چاہیں کہتے ہیں، لیکن حقیقتاً وہ ٹی وی پر نیم برہنہ خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھ کر پرجوش طریقے سے پردے کے خلاف دلائل دیتے تو دکھائی دیں گے مگر مجال ہے کہ کبھی ان بے حیا عورتوں کے لباس پر تنقید کر دیں؛ تنقید تو دور کی بات وہ تو اُنہیں نصیحت بھی نہیں کر سکتے۔ نجانے ان عورتوں کے بجائے جن کے لباس چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں، اُنہیں ایسی عورتوں کی فکر کیوں دامن گیر ہوتی ہے جنہوں نے زیادہ لباس پہن رکھا ہے؟ درحقیقت امریکہ میں ٹی وی کو مذہبی تعلیمات کے فروغ کے لئے نہیں بلکہ چرچ کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس کے ذریعے عوام الناس کا رابطہ چرچ اور پوپ سے کاٹ کر گراہم جیسے 'عالم آن لائنوں' سے جوڑ دیا گیا ہے۔

مذہبی تعلیمات کے روایتی نظام میں مقامی مساجد کے ائمہ اور خانقاہوں کے بزرگ اَفراد کے معلم ومزکی ہوا کرتے ہیں۔ تعلیم، تزکیے اور تبلیغ کے اس روایتی ڈھانچے کا فائدہ یہ ہے کہ ایک فرد تعلقات کے ایسے تانے بانے میں بندھ جاتا ہے کہ اس کے لئے بنیادی مذہبی معاشرتی تعلیمات واخلاقیات کی خلاف ورزی کرنا ممکن نہیں رہتا، کیونکہ وہ سب کی نظروں میں ہوتا ہے، لیکن ٹی وی پر عالم آن لائن سے ہدایت حاصل کرنے کے طریقے میں فرد پر تعلقات کا کوئی جبر

www.KitaboSunnat.com

مسلط نہیں ہوتا اور وہ محاسبے کی قیود سے آزاد ہو کر علم دین کو محض ذہنی عیاشی کے طور پر سیکھتا ہے۔

ہر ٹی وی چینل کو انسانی حقوق کی پابندی کرنا ہوتی ہے: بالفرض اگر آپ کسی طرح اپنا ٹی وی چینل بنا بھی لیں، تب بھی قانونی نقطہ نگاہ سے یہ ناممکن ہے کہ آپ ٹی وی پر جو چاہیں کہتے پھریں۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر ٹی وی چینل ہیومن رائٹس قانون کا پابند ہوتا ہے۔ ان رائٹس کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجے میں ٹی وی چینلز کے خلاف مقدمے کر کے بھاری جرمانے عائد کر دیئے جاتے ہیں اور چینل بند کرنے کی نوبت بھی آ پہنچتی ہے۔

ٹی وی کی اصل حقیقت، اس کے مقاصد، اس کی ساخت اور خباثت سے فلسفیانہ سطح پر واقفیت رکھے بغیر ٹی وی سے خیر کی توقع رکھنا محض سادہ لوحی ہے۔ ٹی وی اگر آپ کو دین بیان کرنے کا موقع دیتا ہے تو آپ سے بہت کچھ چھین بھی لیتا ہے، اور دین بیان کرنے کا یہ موقع بھی ہیومن رائٹس کے حقوقِ اظہار آزادی (right of self-expression) کے ماتحت ہی ملتا ہے۔ یعنی ٹی وی دینی پروگرام اس لئے نہیں دکھاتا کہ یہ 'خیر مطلق' ہے بلکہ اس لئے دکھاتا ہے کہ جیسے دوسرے لوگوں کو اپنے اپنے تصوراتِ خیر کے مطابق اظہارِ ذات کا حق حاصل ہے، بالکل اسی طرح مذہبی لوگوں کو بھی اپنی بات کہنے کا 'حق' ہے۔ ہیومن رائٹس قانون کے تحت ٹی وی پر آنا اس مفروضے کو مان لینا ہے کہ ہر شخص جیسے چاہے اپنی ذات کا اظہار کر سکتا ہے، چاہے تو گا کر کرے یا ناچ کر، کسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کے طریقہ اظہارِ آزادی پر قدغن لگائے۔

آخری بات نیک مقاصد کے لئے نیک ذرائع

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر مقاصد نیک بھی ہوں، تب بھی ان مقاصد کے حصول کے لیے جب تک نیک ذرائع اختیار نہ کیے جائیں، دین کو کبھی غلبہ نصرت اور اخلاقی فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ ذریعے، طریقے اور وسیلے کی اہمیت مقصد کے ساتھ ساتھ مسلم ہوتی ہے۔ نیکی کا کام بدی کے راستے سے ہو تو اپنی روحانی اخلاقی اساس کھو دیتا ہے اور اس سے خیر و برکت بھی اُٹھ جاتی ہے۔ ٹی وی کسی بزرگ اہل اللہ کی قبر نہیں ہے جس کے بارے میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ لوگ اہل اللہ کی قبر پر جاتے ہیں تو شرک کرتے ہیں اور اپنا ایمان گنوا کر آتے ہیں میں وہاں جاتا ہوں تو اپنے ایمان میں اضافہ لے کر آتا ہوں۔

اوّلاً تو ٹی وی سے دین کا ابلاغ ہو نہیں پاتا اور اگر کچھ دین پھیلتا بھی ہے تو وہ بے دینی میں اضافے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ذریعے کی بحث سب سے اہم بحث ہے، اسے نظر انداز نہیں

www.KitaboSunnat.com

کیا جاسکتا۔ جس دین نے ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کی جو بازاروں میں سرعام کھاتا پیتا ہوا پایا جائے تاکہ شاہد کے درجۂ ثقاہت کا اندازہ ہو، اس دین کے وارث علما ٹی وی میں میزبان عورتوں کے کمرے میں انتظار فرماتے، حسبِ ضرورت میک اَپ کرواتے، کئی کئی گھنٹے ریکارڈنگ کے لئے انتظار فرماتے اور رنگین کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ ٹی وی کے کیمرے کے لئے صرف سفید لباس ناقابل قبول ہے، اس لئے ٹی وی والے مشورہ دیتے ہیں کہ سفید کپڑے پر رنگین واسکٹ پہنو یا اسکرین رنگین لگائیے۔ اس کے کیمرے کو رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ رنگ بھی پسند نہیں۔ رنگینی کے بغیر ٹی وی کا کام ہی نہیں چلتا اور رنگینی کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ دین سنجیدگی، بردباری، وقار، تحمل، نفاست کے بغیر عام نہیں ہوسکتا۔ دین پہنچانے اور تیل فروخت کرنے میں فرق ہے اور ٹی وی دونوں کاموں کو یکساں سطح پر پہنچا دیتا ہے۔ نیکی بدی کے ذریعہ غالب نہیں ہوسکتی۔ ٹی وی کا مقصد کیا ہے، اس کی مابعد الطبیعیات کیا ہے، اس کے مقاصد کہاں سے آتے ہیں اور کون طے کرتا ہے، اگر ان سوالوں پر علماء کرام غور فرمالیں تو اُنہیں اس دھوکے کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ٹی وی پر آنا حرام ہے، حلت وحرمت کا فیصلہ کرنا یقیناً علماے کرام ہی کو زیب دیتا ہے۔ ہمارے مضمون کا مقصد تو ٹی وی کے بارے میں سادہ لوحی پر مبنی رویے کی حقیقت واضح کرنا ہے۔ اگر واقعی کوئی محسوس کرتا ہے کہ تبلیغ دین و اِبطال باطل کے لئے ٹی وی پر آنا ناگزیر ہے تو اسے درج بالا باتوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اسے ٹی وی کو تبلیغ دین کے لئے آئیڈیل ذریعے کے بجائے ایک اضطراری حکمتِ عملی (strategy) کے طور پر قبول کرنا چاہئے اور وہ بھی اپنی شرائط کے ساتھ۔ مختصر لباس میں ملبوس خواتین کی میزبانی میں پروگرام کرنے سے صاف انکار دینا چاہئے، دورانِ پروگرام ٹی وی اشتہارات کی نوعیت معلوم کرنا چاہئے، بحث سے قبل مکالمے میں شریک شرکا کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے کہ کہیں جہلا سے مکالمہ تو نہیں ہوگا، مکالمہ شروع کرنے سے پہلے پروگرام کے ابتدا میں ہی مکالمے میں شریک افراد کے فکری منہاج (paradigm) کے بارے میں سوال کرنا چاہئے کہ آیا تم کس منہاج کے آدمی ہو، اہل سنت والجماعت کے اجماعی موقف کو مانتے ہو یا نہیں؟ کیونکہ جب تک فکری منہاج ہی معین نہ ہو بحث لاحاصل رہتی ہے۔ میزبان اگر غیر متعلق یا غلط سوال پوچھے تو اسے یہ کہہ کر کہ 'یہ سوال ہی غلط ہے' چپ کرا دینا چاہئے۔ مشہور امریکی مفکر نام چومسکی (Chomsky) نے ایک مرتبہ بیسویں صدی

www.KitaboSunnat.com

کے بڑے پس جدیدی فلسفی فوکالٹ (Focault) سے ٹی وی انٹرویو کے دوران جب ایک سوال پوچھا تو فوکالٹ نے کہا کہ میرے منہاجِ علم میں تمہارا سوال ہی غلط ہے، لہٰذا میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گا، چومسکی خاموش ہوکر رہ گیا۔

مضمون کا اختتام ہم اسی سوال پر کرتے ہیں جو مدیر 'محدث' حافظ حسن مدنی نے اپنے مضمون میں اُٹھایا ہے کہ

''ٹی وی چینلوں کے ذریعے مذہبی رجحانات کی تشفی کی بات کرتے وقت یہ بنیادی نقطہ نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے کہ جب دین کی مقدس تعلیم کو بھی مقصد و ہدف سے قطع نظر ٹی وی چینل کے مالک کے جذبۂ حصولِ منفعت کے پیش نظر ابلاغ کی لہروں کے سپرد کیا جائے گا تو منبر نبوی ﷺ کا یہ مقدس مشن کیسے لوگوں کے سپرد ہوگا اور عوام کی دینی تعلیم و تدریس کی کونسی نوعیت اربابِ ابلاغ کے ہاں مطلوب و معتبر قرار پائے گی.....؟''

ضرورت مدرسین

معھد القرآن و السنة بہاول نگر

کے لئے سلفی مدرسین کی ضرورت ہے جو درج ذیل قابلیت رکھتے ہوں:

1. اہل حدیث مدرسہ سے سندِ فراغت (۴ یا ۶ سالہ نصاب کے بعد) ⊙ قراءاتِ سبعہ وعشرہ اور نصابِ تجوید پر عبور ⊙ حفظِ قرآن ⊙ علومِ عصریہ وخطابت سے واقفیت (اضافی قابلیت)
2. قراءاتِ سبعہ وعشرہ اور نصابِ تجوید پر عبور ⊙ حفظِ قرآن ⊙ علومِ عصریہ وخطابت سے واقفیت (اضافی قابلیت)

حسبِ قابلیت معقول پیکیج (۲۵ شعبان ۱۴۲۹ھ تک ہاتھ سے لکھی درخواست، ذاتی کوائف اور تعلیمی اسناد کی فوٹو کاپی درج ذیل پتہ پر ارسال کریں:

الفوز اسلامک سنٹر بلاک ایکس، ماڈل ٹاؤن، بہاول نگر

پی او بکس: ۱۱۱، بہاول نگر فون: 063-8051289

موبائل: 0321-6855764 **Email:** info@alfauzislamic.com

URL: www.alfauzislamic.com

www.KitaboSunnat.com

تذکرہ وتبصرہ

حافظ حسن مدنی

'ٹی وی اور تبلیغ اسلام'.....ایک تبصرہ

محدث کے 'تصویر نمبر' کی اشاعت سے ایک ماہ قبل مؤقر معاصر جریدہ 'ساحل' کراچی میں 'ٹی وی اور تبلیغ اسلام' کے حوالے سے ۶ صفحات پر محیط چند خیال افروز نگارشات پیش کی گئیں۔ حال ہی میں ان اَفکار کو ایک مستقل مضمون کی صورت میں محدث میں اشاعت کے لئے ارسال کیا گیا۔ چونکہ مضمون کے مندرجات کافی اہم ہیں اس لئے اس پر تاثر وتبصرہ بھی ہمراہ پیش کیا جارہا ہے۔ تبصرہ سے قبل اصل مضمون کا مطالعہ کرلینا مناسب ہوگا۔

زیرنظر مضمون میں ٹی وی کے بارے میں جو شبہات واعتراضات پیش کئے گئے ہیں، وہ کافی معقول اور وزنی ہیں اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ مغربی تہذیب کی اسی کرشمہ سازی کے سبب دینی علم کی صحت کا معیار دلیل و استدلال کی بجائے عوامی مقبولیت کو قرار دیا جانے لگا ہے۔ جبکہ دینی علم تو کجا، کسی بھی علم کے لئے یہ رویہ زہر قاتل سے کم نہیں کہ اس کا معیار عوام کی پسند وناپسند، قبول اور عدمِ قبول کو قرار دے لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کی کسی بھی شاخ میں علم وتحقیق کے لئے یہ میزان نہ تو متعارف کرائی اور معتبر سمجھی جاتی ہے کہ عوام اس پیش کردہ نقطہ نظر کے حامی ہیں یا نہیں بلکہ اس سلسلے میں اُس علم کے ماہرین کی رائے ہی معتبر ہوتی ہے۔ مذہب کے ساتھ یہ رویہ مغرب کے 'نظریۂ عوامیت' کا شاخسانہ ہے!!

ایسا جانبدارانہ رویہ صرف دینی علم کے ہی حصے میں آیا ہے کہ ہر شخص نہ صرف اس میں اپنی رائے دینے میں آزاد سمجھا جاتا ہے بلکہ محض عوامی مقبولیت کی بنا پر وہ اپنی رائے کو منوانے پر بھی اِصرار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ رویہ اسی وقت اختیار کیا جاتا ہے جب اس علم کے مصادر ومآخذ اور ماہرین سے اعتبار واعتماد اُٹھ جائے اور ان کی بجائے ہر بات کی داخلی معقولیت میں ہی 'میزانِ حق' ڈھونڈی جانے لگی۔ آیا کیا دین اسلام اس بدظنی کا متحمل ہوسکتا ہے جس کی حفاظت وبیان کی ذمہ داری خود قرآنِ کریم میں ربِّ ذوالجلال نے اپنے ذمہ لی ہو؟ غرض گذشتہ پانچ

www.KitaboSunnat.com

برس سے ٹی وی پر بچھی دینی بساط کا حاصل یہی ہے کہ ایسے لوگ اسلامی رہنما سمجھ لئے گئے ہیں، جن کا دینی علم کسی بھی مسلمہ معیار پر پورا نہیں اُترتا، نہ ہی وہ کسی دینی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ہیں اور نہ ہی سند یافتہ! اور اس پر مستزاد ان کی وضع قطع جو ایک طرف خود ان کے دینی رویوں کی آئینہ دار ہے اور دوسری طرف ان کے پیش کردہ دین کا ایک عملی نقشہ بھی کھینچ دیتی ہے۔

مقالہ نگار کے اس استدلال میں بھی وزن ہے کہ ٹی وی کا ماحول بالکل مختلف ہے جبکہ دین کی تبلیغ کے تقاضے اس سے بالکل جداگانہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آج ٹی وی پر دینی رہنمائی کا منصب سنبھال چکے ہیں، اُنہیں اُس منبر ومحراب میں درس اور خطبہ جمعہ وغیرہ دینے کی توفیق بھی خال خال میسر آتی ہے، جو اس دین کے رہبر ورہنما سید المرسلین ﷺ کی مسندِ علم وارشاد ہے۔ فاضل مضمون کے بہت سے استدلال چشم کشا حتی کہ عبرت آموز بھی ہیں، البتہ بعض اُصولی باتوں کی نشاندہی اور ان پر اپنے تاثرات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

❁ فی زمانہ اجتماعیات کے میدان میں وہ تصورات ورجحانات بالکل ناپید ہیں جن کو شریعتِ مطہرہ نے متعارف کرایا ہے۔ یہ میدان سیاست کا ہو یا تعلیم وتعلّم کا، عدل وانصاف کا ہو یا معیشت ومعاشرت کا؛ ان کے اَساسات ومعمولات کا خلافِ اسلام ہونا کسی بھی گہری نظر والے صاحبِ علم سے مخفی نہیں ہے، لیکن اس وقت اُمہ کو درپیش اہم ترین مسئلہ جہاں یہ ہے کہ اُنہیں اسلام کے خالص نظریات سے متعارف رکھا جائے، ان کی تعلیم دی جائے؛ وہاں یہ بھی ہے کہ عالمی جبر وسامراج کے بل بوتے پر جاری وساری ان کفریہ نظام ہائے زندگی کے ساتھ عملی رویہ کیا اختیار کیا جائے؟ یہ بہت اہم اور عملی نوعیت کا سوال ہے، کیونکہ ان نظامہائے کفر کو جڑ سے اُکھاڑنے کی منزل بظاہر دور نظر آتی ہے۔

بالفاظِ دیگر کسی نظام کا مبنی بر غلط ہونا، ایک حقیقی، نظری اور علمی امر ہے، لیکن اس غلط نظام سے مسلمانوں کا سلوک وبرتاؤ ایک بالکل عملی مسئلہ ہے۔ جمہوریت کفر ہے اور وضعی قانون پر فیصلے بالکل ناممکن، یہ تو بجا.....لیکن عالمی وعلاقائی جبر کے بل بوتے پر جاری ان نظاموں سے مسلمان کیا رویہ اختیار کریں، دورِ زوال کی حکمتِ عملی کیا ہو کہ اسلام کا اصل جوہر واِمتیاز ہی نسیاً منسیا ہو کر نہ رہ جائے اور دوسری طرف لوگوں کے لئے زندگی گزارنا بھی ممکن رہے۔ یہ اس دور

www.KitaboSunnat.com

کا اہم ترین سوال ہے!!

ہر دو نوعیت کے سوالوں کا مستقل طور پر جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ اس دور کی بہت سے تحریکوں کا المیہ ہے کہ وہ ایک چیز کو غلط سمجھتے ہیں لیکن عملاً اس کو اس شدت سے قبول کر لیتے ہیں کہ اصل نظریہ ذہنوں سے محو ہو کر صرف کتابوں میں محفوظ رہ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں عملی سوال کے طور پر بہت سے مسائل کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً

جمہوریت اپنی متعدد اساسات کے اعتبار سے اسلام سے متصادم ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے واضح الفاظ میں کفر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کو ناگوار، ناجائز اور کفر تک خیال کرنے والے لوگ بھی اس سے سلوک و برتاؤ کے مرحلے پر یہ قرار دیتے نظر آتے ہیں کہ دین کے دفاع اور اسلام کے تحفظ کے طور پر اسلام پسندوں کو حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ووٹ دینا بلکہ انتخابی سیاست میں شریک ہونا گوارا کیا جائے۔ دیکھئے 'محدث' کا شمارہ فروری ۲۰۰۸ء

سودی بنکوں کے معمولات کی حرمت کے بارے میں اکثر مسلمانوں کو شبہ نہیں کہ وہاں ہر قسم کے اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم کسی نہ کسی طور سود میں ملوث کر لی جاتی ہے، لیکن ایسی سنگین صورتحال کے باوجود اس دور کے تقاضوں کو نبھانے کے لئے ہر دینی ادارہ بھی اپنے رواں کھاتے بنکوں میں رکھنے پر عمل کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ایسی ہی صورتحال مسئلہ تصویر کے بارے میں بھی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے ممتاز علما ہر قسم کی تصویر کو حرام قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود حالات کے جبر کے تحت تبلیغ اسلام کے لئے اس کو گوارا قرار دینے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں۔

غرض مسئلہ کی اُصولی حرمت و حلت اور فقہ الواقع کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے بارے میں جواز و گنجائش کا عملی موقف اختیار کرنا؛ دو مستقل سوال ہیں۔ اور ان سوالات میں ایسی واضح حد بندی اور نکھار کی ہر دم ضرورت رہتی ہے تاکہ ضرورت کسی وقت اصل کے درجے میں نہ پہنچ جائے۔ اصل مطلوب حل کی طرف پیش رفت بھی برقرار رہے، لیکن جاری نظام زندگی سے بھی مسلمان اس طرح لاتعلق اور منقطع نہ ہو جائے کہ اس کے لئے روزمرہ معمولات کو انجام دینا محال ہو جائے۔ اسی تصور کی بنا پر محدث کا زیر نظر شمارہ اسی نوعیت کی ایک کوشش ہے کہ تصویر کی

www.KitaboSunnat.com

حرمت کو جانتے ہوئے تبلیغ اسلام کیلئے حالتِ اضطرار یا اخف الضررین کے تحت گوارا کیا جائے۔

❁ فاضل مقالہ نگار کا یہ اِستدلال اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ٹی وی کے ذریعے تبلیغ اسلام کے تقاضے پورے کرنا اور اسے اس مقصد کے لئے موزوں سمجھنا بالکل سطحی اور عامیانہ رویہ ہے۔لیکن یہ شبہ واعتراض تو اس وقت صادق آتا ہے جب علماے کرام نے اپنے تئیں ٹی وی کا یہ مصرف قرار دے لیا ہو۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ علما چار دہائیوں سے ٹی وی کو منبع شر وفساد سمجھتے اور بیان کرتے آئے ہیں۔لیکن جب اس کی اثر انگیزی اور فتنہ پروری حد سے بڑھنے لگی، دین کے تصورات کو مسخ کیا اور کفر سے ملایا جانے لگا، قوم تبدیل ہونے لگی اور غلطی پر چلنے کی جو دلی خَلش تھی، اس کو بھی نام نہاد ٹی وی سکالر مٹانے لگے، تب کمتر ضرر بلکہ مولانا اثری کے الفاظ میں 'ایمان کو بچانے کے لئے' علما کو اس بارے میں اپنے سابقہ رویے پر از سرنو غور کرنا ضروری ٹھہرا۔توجہ طلب امر یہ ہے کہ ہمارے زیر تبصرہ مضمون کا اپنا تمام رجحان بھی ٹی وی کے صریح خلاف ہے، لیکن حالات کے اس جبر کو وزن دیے بنا وہ بھی نہ رہ سکے اور اُنہیں بھی اپنے مضمون کے آخر میں یہ قرار دینا پڑا کہ

''ٹی وی کو تبلیغ دین کے لئے آئیڈیل ذریعے کے بجائے ایک اِضطراری حکمت عملی (strategy) کے طور پر قبول کرنا چاہئے اور وہ بھی اپنی شرائط کے ساتھ۔''

غالباً مضمون نگار نے اپنے تئیں یہ فرض کرلیا ہے کہ علماے کرام بڑی خوش دلی اور رغبت سے ٹی وی کو تبلیغ اسلام کا بہترین سٹیج سمجھ کر اس پر جلوہ افروز ہونا چاہتے ہیں، جبکہ یہ تاثر درست نہیں ہے؛ مضمون نگار کی اس نکتہ کو نکھارنے کی کاوش قابل تحسین ہے۔ اگر کوئی 'محدث' کے تصویر نمبر سے یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ذریعے ہر قسم کے ٹی وی پروگراموں یا تصویر سازی کی اجازت کا موقف پیش کیا گیا ہے تو راقم کی نظر میں وہ غلطی پر ہے۔تصویر کے سلسلے میں بہترین موقف یہی ہے کہ اس کو اَخف الضررین یا مقاصدِ شریعہ کے فروغ کی حد تک گوارا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علما کے جتنے بھی اقتباس پیش کئے گئے ہیں، وہ حکومتی جبر، غلبہ اسلام اور دین کو بچانے کے نقطہ نظر سے مخصوص ہیں۔

یاد رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں ناگوار شے پر اِلزاماً عمل کرنے کی شرعی دلیل بھی موجود

www.KitaboSunnat.com

ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم کی سورۃ الشعراء کے آخر میں شاعری کی مذمت کرتے ہوئے ان کے پیروکاروں کو گمراہ، خود اُن کو حیران و پریشان اور اپنے قول و کردار سے غافل ذکر کیا گیا ہے۔ مگر اہل اسلام کے لئے جواباً اسی شاعری کو ہی نہ صرف گوارا کیا گیا ہے بلکہ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ﴾ کہہ کر ان کو براہِ راست مستثنیٰ کردیا گیا اور نبی کریم ﷺ نے خود سیدنا حسانؓ بن ثابت کو ان کا جواب دینے کی تلقین کرکے ان کے حق میں روحِ قدس کی تائید کی دعاے خیر بھی فرمائی ہے۔

❁ فاضل مقالہ نگار کا یہ مضمون اس تصور کی تردید کے لئے لکھا گیا ہے کہ ٹی وی پر علما کے آنے اور تبلیغ اسلام کے لئے اس کو استعمال کرنے میں واحد شے مسئلہ تصویر ہے، جبکہ ان کے خیال میں درحقیقت ایسا نہیں۔ ان کا یہ موقف بالکل درست اور ان کی یہ وضاحت قابل قدر ہے۔ بلکہ 'محدث' میں اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ

''ٹی وی سکرین جس طرزِ استدلال اور عاقلانہ معروضیت کی متقاضی ہے، ایمان وایقان میں ڈھلے اعتقادات ونظریات اس طرزِ بیان کے متحمل نہیں ہوسکتے۔''

مزید برآں ٹی وی پر انتظامی نزاکتوں، نشست وبرخاست، سوال وجواب، شرکا وحاضرین کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کے نام پر جس اِبلاغی فن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، ان کو بھی پیش نظر رکھ کر ہی علماے کرام کو کسی ٹی وی پروگرام میں شامل ہونا چاہئے۔

ایسے ہی راقم کا وہ اقتباس جس کی نشاندہی فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون کے آخر میں فرمائی ہے، اس امر کا مؤید ہے کہ ٹی وی پر تبلیغ اسلام کا مسئلہ اس قدر سیدھا سادا نہیں۔

ٹی وی پر اسلام کی تبلیغ وتشریح کے حوالے سے یہ امر بھی خاصا توجہ طلب ہے کہ چودہ صدیوں سے مسلم علما وفقہا دین کی تشریح وتعبیر میں جس احتیاط اور ذمہ داری کا اظہار کرتے آئے ہیں، ٹی وی پر آنے کے بعد ربِّ کریم کی مراد ومنشا کی ترجمانی جیسا حساس معاملہ ایک روزمرہ گپ شپ اور تبادلۂ افکار کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ یہ اسی ٹی وی ماحول کا 'ثمرہ' ہے کہ علماے کرام کے اِعزاز ووقار اور دین کے بارے میں ان کی رائے پر اعتماد واستناد کے رویے کو شدید ٹھیس پہنچی ہے اور ان کی رائے کو کسی عام شخص سے زیادہ وقعت حاصل نہیں رہی!!

www.KitaboSunnat.com

❁ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں متعدد دلائل وواقعات سے یہ ثابت کیا ہے کہ ٹی وی کا بنیادی نظم اور ڈھانچہ سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم کل پرزہ ہے، جو اپنی اساس سے ہی تبلیغ اسلام کے متعدد تقاضوں سے متصادم ہے۔ ان کے اس استدلال کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ ٹی وی ایک دکان ہے جو اشتہار بازی کے ذریعے اپنے اِخراجات عوام سے پورے کرنے کے لئے ان کو وہی شے فراہم کرتا ہے، جس کی وہ چاہت کریں۔

موصوف نے اس تصور کو بہت کھول کر بیان کیا ہے، اور یہ پیش نظر مسئلہ کا واقعتاً اہم ترین پہلو ہے، جس کی وضاحت اُنہوں نے احسن انداز میں پیش کرکے امر واقعہ کو مزید متوازن کردیا ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے گذشتہ ماہ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، جس میں لاہور کے دو ممتاز ترین علما کے ATV پر بعض پروگرام ریکارڈ کئے گئے، لیکن چونکہ ان پروگراموں سے ٹی وی انتظامیہ کی نظر میں عوامی خواہشات کی ترجمانی ممکن نہیں تھی، یا ان سے ناظرین کو من پسند وخوش کن تاثر ملنے کی بجائے اپنے عمل کی اِصلاح پر متوجہ ہونا پڑتا تھا، اس لئے بغیر کوئی وجہ بتائے آئندہ اس سلسلے کو منقطع کرتے ہوئے یہ پروگرام مسترد کردیے گئے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ٹی وی پر وہی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں جو عوام میں اِباحیت، بے جا سہولت اور آسائش وتعیش کو فروغ دیں۔ کسی بھی ایسے عالم دین کا پروگرام جو لوگوں کو عمل کے لئے راغب کرتا، کوتاہی سے بچنے کی تلقین کرتا ہو، ان میں فکرمندی یا احساسِ ذمہ داری کو اُجاگر کرتا ہو، معاشرے میں چلتی روش کے خاتمے پر اُبھارتا ہو؛ ایسے پروگرام بلکہ ان کے داعی رمقررین بھی بلیک لسٹ کردیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آج جن لوگوں کو ٹی وی کے مقبول سکالر ہونے کا 'اِعزاز' حاصل ہے، لیکن اگر وہ مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب کی وکالت یا اسلام سے اس کی توجیہ تلاش کرنے کی بجائے پردہ یا داڑھی جیسے مسلمہ اسلامی شعائر، موسیقی یا تصویر کی حرمت اور غیر مسلموں سے علیحدگی اور ان سے جہاد وغیرہ کی تلقین شروع کردیں تو چند ہی دنوں میں ان کی عوامی مقبولیت کا فسوں ختم ہوکر رہ جائے گا۔ دراصل ایسے مقررین کا یہ 'زورِ بیان' ہوا کے رخ پر اُڑنے والے تنکے کے مشابہ ہے، جو منہ زور تہذیب کے بل بوتے پر بہت تیزی سے پرواز کرتا دکھائی دیتا ہے جبکہ یہ اس تنکے کی اپنی پرواز نہیں ہوتی۔ دوسری طرف منہ زور ہوا کے راستے میں رکاوٹ بننے والا ایک تن آور درخت بھی ہوا کی

www.KitaboSunnat.com

شدت کی وجہ سے جھکتا نظر آتا ہے۔ اہل نظر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں!

بہرحال ہمارے ممدوح کا یہ موقف ایک مسلمہ امر ہے کہ ٹی وی اشتہارات کی ایک دکان ہے، جو عوامی میلانات کے بل بوتے پر مخصوص رجحانات کا اِبلاغ کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ کاروبار سمیٹ سکے۔ البتہ یہ اعتراض خالصتاً کمرشل چینلوں کے بارے میں تو درست ہے، لیکن ایسے ٹی وی چینل جو محض عوام کی بجائے حکومت یا کسی مخصوص مشن کے تحت خارجی اِخراجات پر چلتے ہوں، ان کے بارے میں اس اعتراض کی نوعیت قدرے کم ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جن علماے عرب نے ٹی وی چینلوں پر آنے کی اجازت دی ہے، ان کے پیش نظر دین پسند حکومت یا اسلامی مقاصد کے فروغ کیلئے کام کرنے والے چینل ہی رہے ہیں۔

البتہ ٹی وی کے ڈھانچے کو دیکھتے ہوئے یہ بات پھر بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ ایسی صورت میں عوام تفریح اور من پسند شے کے حصول کے لئے اس کی بجائے دوسرے چینلوں پر ہی اپنا زیادہ وقت صرف کریں گے، اِلا یہ کہ ان کے پاس اس واحد چینل کے سوا کوئی اور اِمکان ہی موجود نہ ہو۔ جیسا کہ یہ صورتحال پی ٹی وی کو پیش آچکی ہے کہ 'جیو' کے ہمہ رنگ چینل متعارف ہوتے ہی پاکستان کے عوام نے پی ٹی وی کو چھوڑ کر اُسے اپنی دلچسپیوں کا مرکز بنالیا۔

❁ زیر تبصرہ مضمون میں ایک تصور یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ تعلیم وتعلّم میں دو حواس بامقصد نہیں ہوا کرتے۔ راقم کی نظر میں مقالہ نگار کا یہ دعویٰ مثالیت پسندی کا ایک رجحان تو ہوسکتا ہے جیسا کہ محمد ﷺ کو وحی کے ساتھ نبی مجسم کے طور پر تزکیۂ نفس کے لئے مبعوث کیا گیا، لیکن اسے تعلیم وتعلّم کا لازمہ قرار دینا درست نہیں۔ چنانچہ بعض اوقات وحی کا تذکرہ، بیان کرنے والے پر وہ تاثیر نہیں چھوڑتا، جتنا اپنے سامع پر۔ حدیثِ نبوی بھی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے، جس نے میری حدیث کو آگے بیان کیا، بعض اوقات بیان کرنے والے سے سننے والا زیادہ فائدہ اُٹھا لیتا ہے۔'' اس لئے میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ موصوف کا یہ دعویٰ مثالیت وکمالیت پر مبنی رجحان تو ہے لیکن تعلیم کا اسی پر منحصر ہوجانا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ اِبلاغ کا میدان تعلیم وتزکیہ سے مستقل وجود بھی رکھتا ہے اور دونوں کے تقاضے واَسالیب مختلف ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

❁ زیر تبصرہ مضمون میں روایت پسندی کی بنا پر خانقاہی نظام یا تصوف کی طرف مائل جو بعض مثالیں پیش کی گئی ہیں، ان پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ شرعی استدلال کا مرکز ومحور براہِ راست قرآن وسنت کو ہی ہونا چاہئے۔ محض تعاملِ اُمت کی بنا پر مسلمانوں میں مروّجہ روایات کو دین باور کرلینے کی بجائے اس تعامل وروایت کی میزان بھی قرآن وسنت کو ہی سمجھنا چاہئے۔

ان چند مخلصانہ گزارشات کے بعد اس امر کی نشاندہی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ٹی وی پر تبلیغ اسلام کے حوالے سے زیر تبصرہ مضمون اس اشتراکِ فکر کی نشاندہی کرتا ہے جس کی ترجمانی 'محدث' کے تصویر نمبر میں کی گئی ہے۔ یہ مضمون اس بحث کو مکمل ومتوازن کرنے کی ایک قابل قدر کاوش ہے کہ ٹی وی کو تبلیغ اسلام کے لئے موزوں اور مثالی پلیٹ فارم تو خیال نہ کیا جائے، البتہ مجبوری کے تحت اس پر تحفظِ اسلام کی کوشش کی شریعت کی نظر میں نہ صرف گنجائش بلکہ تلقین پائی جاتی ہے۔

جب کسی شے کا دوسرا رخ بھی نکھار کر پیش کردیا جائے تو ایسی صورت میں اس سے بچنے کا اِمکان مزید قوی ہوجاتا ہے، اور زیر تبصرہ مضمون کا اہم ترین فائدہ یہی ہے کہ ٹی وی پر آنے والے اہل علم ٹی وی کے حوالے سے ان تصورات کو اپنے سامنے تازہ رکھتے ہوئے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس امر کے بارے میں بالکل واضح رہیں گے کہ ٹی وی کو تبلیغ اسلام کا اصل اور کافی وشافی مرکز بننے کی صلاحیت حاصل نہیں ہے اور یہ لاؤڈ سپیکر کی طرح محض ابلاغ کا آلہ نہیں ہے بلکہ موجودہ مادی تہذیب کا ایک اہم کل پرزہ ہے۔

اس مضمون کی اہمیت ان حالات میں دو چند ہوجاتی ہے جب ٹی وی پر 'عالم آن لائن' کے پروگرام کے اخباری اشتہار میں علماے کرام کو یہ تلقین وتہدید بھی پڑھنے کو ملے:

''جو عالم ہے، وہ 'عالم آن لائن' ہے۔ اور جو [یہاں] علم بیان نہیں کرتا، علماء کی نظر میں وہ خائن ہے۔'' (دیکھئے: روزنامہ 'جنگ' میں اشتہار 'عالم آن لائن')

مجاہد ناموسِ رسالتؐ **محمد اسمٰعیل قریشی** ایڈووکیٹ کی نئی انگریزی تصنیف شائع ہوگئی ہے!
MUHAMMAD: The Messenger of God
& Law of Blasphemy in Islam and the west
اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف شر انگیز لٹریچر کا مستند دلائل سے شافی جواب ◉ غیر جانبدارانہ تبصرے

www.KitaboSunnat.com

تجزیہ وتبصرہ

'محدث' کے 'تصویر نمبر' کے سلسلے میں بعض خطوط

① خطیب فیصل مسجد، اسلام آباد کا مکتوب

محترم ومکرم جناب حافظ عبدالرحمٰن مدنی، جناب حافظ حسن مدنی صاحب حفظہم اللہ

السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاتہ

اللہ کرے آپ کے ہاں مکمل خیریت و عافیت ہو۔ آمین۔ ماہِ جون ۲۰۰۸ء کا 'محدث' ملا، جس کو آپ نے 'تصویر نمبر' لکھا ہے، ماشاء اللہ پڑھ کر بہت خوشی اور فائدہ ہوا۔ تصویر کے موضوع پر یہ ایک دستاویز ہے جس پر آپ حضرات اور آپ کی پوری ٹیم مبارک کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر دے اور 'محدث' کو مزید ترقی دے۔ آمین!

بلاشبہ آپ کی کاوشوں اور علمی جہود کی وجہ سے 'محدث' ملک بھر کے بہترین مجلّات کی صف اوّل میں شمار ہوتا ہے اور قوم کی رہنمائی میں اس کا بہت اہم کردار ہے۔ اس سے قبل 'حدود آرڈیننس' کے موضوع پر جس طرح 'محدث' نے قوم کی رہنمائی کی اور باطل عزائم کی بیخ کنی کرکے جہاد بالقلم کا علم بلند کیا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر عطا فرما دے۔ آمین۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ 'محدث' کو مزید ترقی دے اور آپ سب کو بایں کرامت تا دیر سلامت رکھے۔ آمین! والسلام

آپ کا بھائی/دعا گو **محمد طاہر حکیم**

② مراسلہ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

محترم جناب مولانا حافظ حسن مدنی صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

'محدث' کا تازہ شمارہ 'تصویر نمبر' کے عنوان سے شائع کرکے آپ نے جو فرض اور قرض

www.KitaboSunnat.com

اُتارا ہے، اس پر مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ آپ کی مساعیٔ حسنہ کو قبول فرمائے اورمزید اپنی مرضیات سے نوازتا رہے۔

یاد ہوگا کہ محترمی مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب زید مجدہٗ.....جنہیں اب تو بڑے مدنی صاحب کہنا چاہئے..... نے ایک عرصہ پہلے جناب رفیع مفتی صاحب کا کتابچہ 'تصویر کا مسئلہ' اور اِشراق کا ایک شمارہ جو 'اسلام اور موسیقی' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، بھجوائے اور فرمایا کہ ان کا جواب آنا چاہئے۔ اسلام اور موسیقی کے عنوان پر تو راقم نے لکھا اور اربابِ اشراق کے موقف کی کمزوری واضح کرنے کی کوشش کی جس کے جواب الجواب کی نوبت بھی آئی، آپ اس تفصیل سے واقف ہیں۔خیال تھا کہ یہ بحث کسی کنارے لگے تو تصویر کے مسئلہ کو لوں گا مگر ابھی اس کی نوبت نہ آپائی تھی کہ آپ کی جانب سے 'تصویر نمبر' شائع ہوگیا جس پر بلاشبہ آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے!

تصویر کے مسئلہ پر یوں تو سب علماے کرام نے بڑی عمدہ اورنفیس بحث کی ہے مگر مولانا محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ نے جس تفصیل سے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے اور حرمتِ تصویر کے علل واسباب کا جس طرح استیعاب کیا ہے وہ بہرحال قابل تحسین ہے۔ اسی طرح محترم مدنی صاحب نے بھی اُصولی نقطہ نظر سے اس کا خوب جائزہ پیش کیا ہے تاہم اُنہوں نے جو حرمتِ تصویر کی علت سدِ ذرائع قرار دی ہے، اس سے اتفاق مشکل ہے۔حدیث میں تو صاف طور پر «یضاھون بخلق اللہ» کے الفاظ موجود ہیں۔ جب کہ سدِ ذرائع کو ہم علتِ مستنبطہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن العربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے۔بہرحال تصویر کی حرمت پر سلف کا اتفاق رہا ہے، اس کی علت اللہ کی تخلیق سے مشابہت ہو یا شرک سے بچنا مقصود ہو یا مشرکین کے عمل سے مشابہت ہو یا ان کی نحوست ہو؛ تصویر بہرحال حرام ہے۔

فوٹوگرافی اور میڈیا کے موجود دور میں اس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ یہ تصویر ہے یا عکس؟ مگر جو کچھ بھی ہے، کوئی بھی اسے تصویر سے خارج نہیں کرتا ہے۔ وہ کاغذ پر محفوظ ہو یا نہ ہو، میڈیا میں بہرحال محفوظ ہے، جب بھی کوئی چاہے اسے دیکھ سکتا ہے بلکہ دل بہلا لیتا ہے۔اسے تصویر ہی کہتے ہیں۔شیشہ یا پانی میں عکس کو کسی نے تصویر نہیں کہا۔

www.KitaboSunnat.com

محترمی جناب حافظ مدنی صاحب زیدمجدہٗ کی گفتگو میں یہ بھی آیا ہے کہ ''حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص داڑھی مونڈ کر شیشہ دیکھے اور شیشہ دیکھ کر خوش ہو تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔'' (محدث: صفحہ ۷۵)

اگر حوالے سے مطلع فرمادیں تو شکر گزار ہوں گا۔ لذت وفرحت عموماً مرتکبِ گناہ کو حاصل ہوتی ہے۔ عقیدہ کی کتابوں میں تو عموماً یہی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں، البتہ اگر وہ اسے حلال اور جائز سمجھ کر کرے تو پھر کافر ہوتا ہے۔ اگر امام صاحب کا یہ قول صحیح طور پر مل جائے تو دعوتی نقطۂ نظر سے بہرحال مؤثر ہے۔

حیرت ہوتی ہے ان حضرات کی اس رائے پر کہ میڈیا پر آنے والی تصویر کا حکم وہ نہیں جو تصویر کا ہے۔ اسی طرح یہ بھی عجیب بات کہی گئی کہ تصویر کی حرمت کا حکم اسی تصویر کے ساتھ خاص رکھا جائے جو آں حضرت ﷺ کے دور میں تصویر سمجھی جاتی تھیں۔ حالانکہ یہاں تو ممانعت وحرمت 'تصویر' کی ہے اور ظاہر ہے کہ جسے عرفِ عام میں تصویر سمجھا جائے گا، وہ تصویر حرام ہی ہوگی۔ 'بت' صرف پتھر یا لکڑی کے ہی نہیں، پلاسٹک کے بھی بنالئے جائیں تو وہ بت ہی ہوں گے۔ 'شراب' کی شکل و ہیئت آج تبدیل ہوگئی ہے تو وہ بہرحال شراب ہی ہے۔ اس لئے وقت بدلنے یا شکل وصورت میں فرق آجانے سے حکم میں تبدیلی محض طفل تسلی بلکہ اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے کے مترادف ہے۔ تصویر کی حرمت بہرحال منصوص ہے، اس لئے اسے اپنے اصل پر ہی رہنا چاہئے اور حرام کو حلال بنانے کی سعیٔ نامشکور سے گریز کرنا چاہئے اور فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔

رہی میڈیا پر تبلیغ دین اور دفاعِ اسلام کے پروگرام پر تصویر تو اس کا جواز ضرورۃً و اکراہاً ہے۔ اس بے لگام معاشرے میں بھانت بھانت کی بولیاں، روشن خیالی کے جواز میں اُلٹے سیدھے فتوے، منصوص اور اجماعی مسائل میں انحراف اور تجدد پسندی، اسلام کی تعبیر وتائید کی بجائے تجدد کی نت نئی راہیں، احادیث کا استخفاف اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اس بات کا متقاضی ہے۔ علماے کرام اس میدان میں اُتریں اور اسلام کی صحیح تعبیر سے آگاہ کریں۔ اس میں اُنہیں تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کی فکر سے شامل ہونا چاہئے، اپنے تعارف اور نئے نئے

www.KitaboSunnat.com

پوز بنانے کے شوق میں نہیں کہ إنما الأعمال بالنیات

جان بچانے کے لئے اگر بقدرِ ضرورت حرام کھانے کی اجازت ہے تو ایمان بچانا اس سے بھی اہم تر ہے۔ اس لئے ضرورۃً ایسے پروگرام میں شرکت یقیناً باعثِ عفو ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث نہیں بنے گا۔ والسلام

(مولانا) ارشاد الحق اثری

④ تبصرہ سید حامد عبدالرحمٰن الکاف، یمن

مسئلہ تصویر یوں تو ہر دور میں ایک زندہ حقیقت کی حیثیت سے گرما گرم بحثوں اور مباحثوں کا مرکز بنا رہا ہے، لیکن نائن الیون کے بعد اہل صلیب اور اہل صہیون نے بعض ایسے مسلمانوں کے تعاون سے جو شکست خوردگی اور مغرب سے مرعوبیت کے مرضِ مہلک کا شکار ہیں، اسلام اور مسلمانوں پر جہاں بڑے پیمانے پر ہلاکت کرنے والے ہتھیاروں کو پوری درندگی اور بے رحمی سے استعمال کیا ہے، وہاں اُنہوں نے میڈیا کے سمندروں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی پیمانے پر زہرناک پروپیگنڈوں کے سونامیوں کو بھی اُبالا اور پھیلایا ہے تاکہ مادی پہلو کے ساتھ ساتھ معنوی پہلوؤں پر بھی یلغار کر کے مسلمانوں کے عقائد، عبادات، معاملات، تاریخ اور تہذیب وثقافت کو نیست و نابود کیا جاسکے۔ ان میڈیائی سونامیوں کی اونچی اونچی موجیں اتنی طاقتور تھیں کہ عام طور پر علماے اسلام ان کی خطرناکیوں اور تباہ کاریوں سے بے حد پریشان ہوئے۔ پانچ سال تک یہی صورتِ حال رہی۔ بالآخر چھٹے سال ۲۰۰۷ء میں پاکستان میں ''جملہ مکاتبِ فکر کی سرکردہ علمی شخصیات پر مشتمل 'ملی مجلس شرعی' کے نام سے ایک مستقل پلیٹ فارم تشکیل دیا گیا تھا جس کا ہدف یہ تھا کہ ''فروعی اختلافات سے بالاتر رہتے ہوئے عوام الناس کو اسلام کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل'' پیش کیا جائے۔ اس مجلس شرعی کے تاسیسی اجلاس (منعقدہ جامعہ نعیمیہ، لاہور) میں سب سے پہلے مسئلہ تصویر موضوع بحث بنا۔ چنانچہ اِمسال ۱۳/اپریل ۲۰۰۸ء کو 'ملی مجلس شرعی' کے پلیٹ فارم سے جملہ مکاتبِ فکر کا ایک وسیع سیمینار منعقد ہوا جس میں ① بریلوی مکتبِ فکر سے چار، ② دیوبندی مکتبِ فکر سے پانچ، ③ اہل حدیث مکتبِ فکر سے چار اور جماعتِ اسلامی سے شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک (مہتمم مرکز علوم اسلامیہ،

www.KitaboSunnat.com

منصورہ) وغیرہ نے اس حساس اور نازک موضوع پر اپنے قیمتی خیالات پیش کیے۔''

(ماہنامہ 'محدث' لاہور اشاعتِ خاص برمسئلہ تصویر، جون ۲۰۰۸ء ص۴ تا۷ بہ تصرف)

الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک عرصے کے بعد 'فروعی اختلافات سے بالاتر' ہوکر ایک اہم مسئلہ پر مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام کے اس اِجماع و اتفاق پر میں اپنی دلی مسرت کا اس دعا کے ساتھ گرم جوشی سے استقبال کرتا ہوں کہ 'اساسیاتِ دین' ہی کو بنیاد بنا کر وہ اس اُمت کو پیش آمدہ مسائل پر اس قسم کے اجتماعات اور سیمینار منعقد فرما کر اگر بالاجماع نہ سہی تو کم از کم 'اکثریتِ رائے' سے ایک راہِ عمل دکھا سکتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی مبارک قدم ہے اور اس راہ پر مسلسل چلتے رہنے ہی کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس بشارتِ خیر اور سلسلۂ خیر کو جاری رکھے اور اس کو اپنے فضل و کرم سے ثمر آور بنائے۔ آمین!

اس موقع پر میں ماہنامہ 'محدث' لاہور کے مدیر باتدبیر جناب مولانا حافظ حسن مدنی صاحب اور مدیر اعلیٰ جناب حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب حفظہ اللہ کو ان تمناؤں کے ساتھ دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی مزید خدمات لے۔ آمین!

یہ مبارک باد ماہنامہ 'محدث' لاہور کے اس خاص نمبر کے سلسلے میں ہے، جو ان حضرات نے مسئلہ تصویر پر منعقدہ مذاکرۂ علمیہ پر نہ صرف شائع کی ہے بلکہ 'تصویر کا شرعی حکم: ایک تقابلی جائزہ' کے تحت جناب حافظ حسن مدنی نے ایک پُرمغز اور رہنمائی خطوط (Guide lines) پر مشتمل اداریہ تحریر فرما کر تقابلی مطالعہ اور جائزہ کے بعد نتائج سیمینار کو الگ، مختلف الالوان والریاحین خوبصورت گلدستۂ افکارِ زرّیں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے ہم جیسے بہت دور یمن میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی ان برادرانہ دل خوش کن فضاؤں کا اندازہ ہوا جو اُن پر چھائی ہوئی تھیں اور جو بجائے خود رحمتِ الٰہی کی ایک بڑی خوش آئند دلیل ہے۔

مزید اس تحریر سے، اتفاقِ رائے کے علی الرغم ان محرکات اور دلائل کو بیک نظر پڑھنے اور سمجھنے کا بھی موقع ملا جو باعثِ اختلاف ہوئے تھے۔ جہاں یہ اداریہ مولانا حسن مدنی کی عالمانہ شان و نظر کی عکاسی کرتا ہے، تو وہیں وہ ان کی صحافیانہ صلاحیتوں کی منہ بولتی تصویر بھی ہے۔

اللهم زِد فَزِد وسخّرهما لخدمة دينك وكتابك العظيم وسنة نبيك

www.KitaboSunnat.com

المختار والمصطفیٰ ﷺ وأصحابه وسلّم

میں ان سطور کے ذریعہ ان علما حضرات اور ان کے مکاتبِ فکر کو ان کے اس مبارک مگر جری اقدام پر دلی مبارک باد پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کی خاطر ان کو اور ان کے مکاتبِ فکر کو جمع رکھے اور ایسے فکر انگیز نتائج فکر وعمل پیش کرنے کی توفیق سے مسلسل سرفراز کرتا رہے۔ آمین!

اس وقت مجھے علماے کرام کے اس مبارک اجتماع کی یاد آرہی ہے جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں کراچی میں منعقد ہوا تھا اور جس میں سارے مکاتبِ فکر کے علماے عظام نے شرکت کرکے ۲۲/نکات پر اپنے 'اتفاق' کا اعلان کیا تھا جن کو پاکستان میں 'علما کے مشہور ۲۲ دستوری نکات' کا نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علما کا آغازِ کار میں ہی اسلامی دستور سازی کی راہ پر یہ ایک ایسا سنگِ میل تھا جس نے پاکستان کی منزل کا رخ فیصلہ کن انداز میں اسلام ہی کی طرف موڑ دیا تھا۔ فجزاهم الله خيرًا

میری دلی تمنا ہے کہ مذاکرے کی منتظم وداعی یہ 'ملی مجلس شرعی' بھی اس نوعیت کی نشانِ راہ (Milestone) ثابت ہو اور اس کی یادگاریں صفحاتِ تاریخ پر سنہری حرفوں میں لکھی جائیں۔

مولانا حافظ حسن مدنی نے مذاکرہ کے بارے میں اپنے تاثر کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''مذاکرہ کے دوران راقم کا تاثر یہ رہا کہ حالات کی سنگینی اور تبلیغ اسلام کے اہم فریضے سے عہدہ برا ہونے کے پیش نظر اپنی منصبی ذمہ داری کو جانتے سمجھتے ہوئے حاصلِ بحث اور نتیجہ کے اعتبار سے تمام اہل علم کی آرا میں کوئی واضح اختلاف نہیں پایا جاتا اور یہی اتفاق اور قدرِ مشترک متفقہ قرارداد کو منظور کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔'' (نشان زد حروف وکلمات راقم کی طرف سے ہیں۔) (ماہنامہ 'محدث' حوالہ بالا: ص ۸)

'مسئلہ تصویر اور تبلیغ اسلام' پر مجلس مذاکرہ کی قرارداد کا متن اور اس پر دستخط کرنے والے علماے کرام کے اسماے گرامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے (حوالہ بالا، ص ۱۰۲) اس امر کی نشاندہی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ کہ مولانا عبدالعزیز علوی (مسئلہ تصویر، ص ۲۵ تا ۳۲)، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف (الیکٹرانک میڈیا اور اس کا استعمال: ص ۳۳ تا ۳۹) اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن

www.KitaboSunnat.com

مدنی (مسئلہ تصویر اور دورِ حاضر: ص۵۹ تا ۶۷) نے اپنے اپنے مقالوں میں بڑی حد تک سخت موقف اختیار کیا ہے۔ مگر مولانا عبدالعزیز علوی اور مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے ایک تحریر جو بطورِ قرارداد تیار کی تھی اور پیش نہیں کی گئی میں بالآخر کراہۃً ہی سہی، اظہارِ اتفاق فرمایا۔ (دیکھئے ص۲۲ حوالہ بالا)

اس کے باوجود ہمیں خوشی سے بغلیں نہیں بجانا چاہئے، کیونکہ ٹی وی کا آلہ صرف تصویر کی وجہ سے ہی نا قابل التفات نہیں بلکہ اس میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کی شریعت سے کوئی گنجائش نہیں ملتی، چنانچہ کسی اسلامی چینل کے قیام سے پہلے ہمیں کئی ایک مزید شرعی اُمور کے بارے میں واضح شرعی موقف طے کرنا ہوگا، مثلاً:

① تصویر کے ساتھ دی جانے والی موسیقی (Music Accompaneing with picture) خصوصاً وثائقی فلمیں (Documentries) اور خبرنامے وغیرہ میں ان کو ایک 'شرنا گزیر' تصور کیا جاتا ہے۔ تو کیا اس عام رجحان کی وجہ سے اور خصوصاً اللجنة الدائمة کے اس فتویٰ کی بنا پر جس کا ذکر اس عدد خاص کے صفحہ نمبر ۲۳ پر مدیر موصوف نے کیا ہے اور جس میں صراحتاً کہا گیا ہے: أما التلفزيون فيحرم مافيه غناء وموسيقي وتصوير وعرض صورة (البتہ ٹی وی پر گانے، موسیقی اور تصاویر جیسی منکرات (پیش کرنا) حرام ہے.....'' معلوم ہوا کہ نہ صرف موسیقی اور گانا بجانا، بلکہ تصاویر کا پیش کرنا بھی حرام ہے اور اگر ان کو بھی حرام قرار دیا جائے تو پھر ٹی وی پر باقی رہ ہی کیا جاتا ہے، کیونکہ فلموں اور فیچروں میں بعض وقت زمینی حقائق کو جیسے بھی وہ ہوں، پیش کرنے کے لئے ان کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے۔

② بحیثیتِ مجموعی ٹی وی میں عنصر نسائی کے حجاب، اس کے حدود و آداب..... جن میں اِلا ما ظہر منہا بھی شامل ہے..... کے بارے میں بھی واضح موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں فلموں اور فیچروں میں ہلکے پھلکے، بظاہر معصوم اور بے ضرر منفی اثرات کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اس کی بنا پر بھی ٹی وی کا استعمال ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

③ ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا کسی مرد اور عورت کو شوہر بیوی، ماں باپ، بیٹا بیٹی، سالا سالی،

www.KitaboSunnat.com

بھائی بہن وغیرہ بنا کر ٹی وی پر پیش کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ یہ محض تمثیل اور اداکاری (Acting) ہوگی نہ کہ ایک حقیقت۔ اس ضمن میں، میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اس رجحان کا بھی ذکر کردوں کہ وہ سرے سے اداکاری ہی کے قائل نہیں تھے، کیونکہ ان کے بقول وہ ایک ایسی نقالی ہے جس سے اداکار یا اداکارہ اپنی شخصیت اور کردار ہی کو کھو بیٹھتے ہیں؟ اس طرح بذاتِ خود اداکارانہ عمل خود ایک موضوعِ بحث بن کر اُبھرتا اور فیصلہ کن جواب طلب کرتا ہے۔ ٹی وی کے حوالے سے یہ مسئلہ بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

④ ان کے علاوہ جنسی تعلقات، اشارہ اور کنایات، نکتہ سنجی اور نکتہ بازی کے حدودِ جواز بھی صاف صاف طے کرنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں مختلف اوقات، موسموں، تقریبات اور مناسبات میں لباسوں کی خراش تراش، رنگ و روغن اور حدود اربعہ واضح کرنے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ متعدد چیزیں شریعتِ اسلامیہ سے کوئی میل نہیں رکھتیں، اسلئے ٹی وی کا استعمال ان متعدد وجوہات کے سبب ایک مسلمان کے لئے کم ازکم مکروہ ہی قرار پاتا ہے۔

⑤ ممکن ہے کہ اور بہت سے ایسے پہلو جو میری محدود نظر سے اوجھل رہ گئے ہوں، مگر ان کو قارئین اور خود ٹی وی کا شوکرنے والوں کو تحریراً اور کلاماً دعوتِ مشارکت دے کر بحثِ عام کے لئے منظرِ عام پر لایا جاسکتا ہے تاکہ عوام کو اس بارے میں واضح رہنمائی دی جاسکے۔

یہ تو تھی میری حقیر سی رائے اس عدمِ خاص کے بارے میں، لیکن مجھے صرف اشارۃً مولانا شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی صاحب کی اس رائے کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ فی زمانہ اپنی اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق جماعۃ الدعوۃ اور تبلیغی جماعت بغیر تصویر کے وسیع پیمانے پر دعوتِ دین کا کام کررہے ہیں۔ مزید یہ کہ آج تصویر کے سوا بھی اس قدر ذرائع ابلاغ پیدا ہو چکے ہیں جن کا کوئی شمار نہیں، آخر ان سب سے کیوں کام نہیں لیا جاتا اور ان کے ذریعہ دین کیوں نہیں پھیلایا جاتا۔ (ص۳۲، حوالہ بالا) اگر ان مزید ذرائع کی بھی مزید تفصیل پیش کردی جاتی تو اچھا ہوتا اور ان کو بھی استعمال کرنے کی راہیں کھلتیں۔

www.KitaboSunnat.com

④ روزنامہ 'امت' کراچی کا تبصرہ بعنوان 'مستحسن اقدام'

..... تحقیق کی فضا گرچہ بھارت میں سازگار ہے مگر پاکستان بھی یکسر محروم نہیں۔ کچھ نوجوان اس میدان میں کودے ہیں اور اُنہوں نے فتویٰ پرستی کے ماحول میں خود کو ضائع کرنے کے بجائے تحقیق وجستجو اور تفقہ فی الدین کو حرزِ جان بنایا ہے۔ اُنہیں میں سے ایک حافظ حسن مدنی بھی ہیں۔ 'محدث' کے نام سے ایک علمی اور معیاری ماہنامہ ان کی زیرادارت نکلتا ہے، جس پر کسی مسلک کا رنگ غالب نہیں، خود ان کے اپنے مسلک کا بھی نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مسائلِ زمانہ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں اور تحقیق کی کھٹال میں کوٹ کوٹ کر ان مسائل کا علاج تلاش کرتے ہیں۔ کبھی ثقافت کے نام پر کثافت ان کو کھلتی ہے تو کبھی دین کے نام پر لادینیت پھیلانے والے جعلی دانشوروں پر وہ گرفت کرتے ہیں۔ ان دونوں تصویر اور ویڈیو کا مسئلہ ایک اختلافی معاملہ بنا ہوا ہے۔ بعض مکاتبِ فکر اس سلسلے میں ایک انتہا پر ہیں تو بعض دوسری طرف۔ اس سلسلے میں مثبت کوشش یہ ہوئی کہ لاہور میں تمام مکاتبِ فکر کے نمائندے مگر جید علماء ومفتیانِ کرام کا ایک اجلاس مفتی محمد خان قادری کی درس گاہ جامعہ اسلامیہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں خالصتاً علمی انداز میں تصویر، ویڈیو کے مسئلے کا جائزہ لیا گیا اور آخر میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے ایک متفقہ قرارداد بھی منظور کی جس کو اجلاس کا حاصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ لاہور کے اس اجلاس میں علمائے کرام کے سامنے دو نکات تھے:

① تصویر، فوٹوگرافی اور ویڈیو کی شرعی حیثیت

② دورِ حاضر میں تبلیغی ضروریات کے لئے تصویر، ٹی وی اور ریڈیو کا جواز

علماء نے ان دونوں نکات پر بھرپور تیاری کی۔ قرآن وحدیث سے استدلال پیش کیا اور اپنے اپنے موقف کی وضاحت کی، مگر حسن یہ ہے کہ اپنے موقف پر جامد رہنے کے بجائے صورتِ حال کو سمجھانے اور دوسروں کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کی۔

اس مذاکرے میں جہاں ایک نکتہ نظر یہ تھا کہ تصویر ہر حال اور ہر حیثیت میں حرام ہے تو دوسرے کا موقف تھا کہ صرف شرک اور فحش مقاصد میں استعمال ہونے والی تصویر حرام ہے، باقی سب کی اجازت ہے۔ ایک تیسرا موقف یہ تھا کہ ٹی وی، ویڈیو تصویر کے حکم میں ہی نہیں

www.KitaboSunnat.com

آتے، لہٰذا جائز ہیں۔ دلائل سب کے پاس تھے۔ بنیاد سب کی 'قرآن وسنت' تھی مگر چونکہ معاملہ ضد کا نہیں، تفہیم کا تھا، لہٰذا ایک متفقہ موقف سامنے آ گیا، جس کو اتفاقِ رائے کی بنیاد کہا جاسکتا ہے۔ جس میں کہا گیا کہ یہ وسیع تر اجلاس اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ اسلام کا پیغام دوسروں تک جلد اور مؤثر انداز میں پہنچانے اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف غلط فہمیوں اور پروپیگنڈے کے اِزالے کے لئے علما کو ٹی وی پروگراموں میں حصہ لینا چاہئے اور الیکٹرانک میڈیا کے لئے ایسے تعمیری اصلاحی اور تعلیمی پروگرام تیار کئے جانے چاہئیں جو منکرات سے پاک ہوں۔ اسلامی دعوت واصلاح اور تبلیغ کے لئے مفید ہوں، جن سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا تدارک ہوتا ہو۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز علوی نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''میڈیا پر جو تصاویر آتی ہیں، ان کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہوئے "إلا من أكره وقلبه مطمئن" کے پیش نظر میڈیا پر دفاعِ اسلام درست ہے۔''

آراء میں بعد المشرقین اور اختلاف کی انتہا کے باوجود علماء کا ایک نکتے پر متفق ہونا بہرحال ایک احسن اقدام ہے۔ برادرم حسن مدنی نے 'سونے پر سہاگہ' والا کام یہ کیا کہ اس مجلس میں ہونے والی ساری بحث کو 'محدث' کے جون کے شمارے میں شائع کردیا ہے اور ہر نقطہ نظر کے پیچھے کارفرما استدلال کی نشاندہی کرنے کی بھی کوشش کی، جس سے ایک عام آدمی بھی تصویر اور ویڈیو کے حوالے سے اس تحقیقی گفتگو سے استفادہ کرسکتا ہے۔

اس سارے عمل میں شریک رہنے والے تمام حضرات نہ صرف مبارکباد کے مستحق ہیں بلکہ ان سے یہ بھی گزارش ہے کہ یہ ایک ابتدائی قدم ہے، اس پر ابھی کامل اتفاقِ رائے کی خاطر لازم ہے کہ مزید بحث ہو اور علماء کو تحقیق کا مزید موقع دیا جائے۔ اس کے ساتھ اس کام کو ذرا وسعت دی جائے اور اس کی رفتار میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علمی اور دینی مسائل انتہائی احتیاط کے متقاضی ہیں مگر ایک ایک معاملے پر سال سال بعد اجلاس بھی کچھ مناسب نہیں۔ اس کے لئے مستقل بنیادوں پر موضوعاتی کمیٹیاں بنا کر کام کو وسیع اور سبک رفتار کیا جاسکتا ہے تاکہ مجتہدانہ کاوشوں کو مزید توسیع دی جاسکے۔

(تحریر: سیف اللہ خالد..... روزنامہ 'اُمت' کراچی: ۲۳؍جون ۲۰۰۸ء)

www.KitaboSunnat.com

تعارف وتبصرہ

کامران طاہر

خطباتِ جمعہ کا نیا مجموعہ زاد الخطیب

مرتب: ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق زاہد ◉ ۲ جلدیں (۵۵۲+۵۱۵صفحات)

ناشر: جمعية إحياء التراث الإسلامي، كويت

زیر تبصرہ کتاب فاضل مصنف ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق زاہد حفظہ اللہ کی نئی علمی کاوش ہے جسے اُنہوں نے جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کی لجنة القارة الهندية کے ایما پر کمیٹی کی طرف سے برصغیر میں مبعوث اُن دعاۃ اور مبلغین کے لیے ترتیب دیا ہے جو اُردو بول چال کے علاقوں میں دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔

اسلام میں منبر ومحراب کی ہمیشہ سے اہم اور مرکزی حیثیت رہی ہے اور تاریخ اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ جب بھی اسلامی اقدار اور روایات کو مسخ کیا جانے لگا اور خرافات وبدعات کے جھکڑ چلے تو ان حالات میں منبر ومحراب سے اُٹھنے والی متبرک آواز نے ہی ان انحرافات کو روکا اور اسلامی تشخص برقرار رکھنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔

برصغیر میں صدیوں سے مختلف اَقوام ومذاہب کے لوگ اکٹھے رہ رہے ہیں اور اس بنا پر اس خطہ میں پائے جانے والے مذاہب، رسوم ورواج اور تہذیبوں کا ایک دوسرے سے متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ چنانچہ برصغیر کے مسلمان بھی ان غیر مسلم تہذیبوں سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے اور ان کے اندر بعض بدعات وخرافات در آئیں۔ ایسے ہی جہاں مسلمانوں نے غیر مسلم تہذیبوں اور مذاہب سے اثرات قبول کئے، وہاں برصغیر کا طبقہ خطبا بھی اس سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

کسی بھی مسلمان کا سب سے مضبوط تعلق مسجد کے ساتھ ہوتا ہے اور مساجد میں ہونے والے وعظ ونصیحت سے ہر دین دار شخص خاطر خواہ اثر قبول کرتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے آج کے خطبا بعض اوقات کم علمی یا پھر نادانستہ طور پر ضعیف اور موضوع روایات پر مبنی مسائل کو

www.KitaboSunnat.com

بھی اپنے خطبات میں پیش کردیتے ہیں جس بنا پر آج مسلمانوں کے اندر بدعات وخرافات کم ہونے کے بجائے پھیلتی جارہی ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ان مبلغین کی رہنمائی کے لیے لکھے جانے والے لٹریچر میں بھی غیر مستند روایات وآثار، قصہ گوئی، داستانیں اور فضائل ومناقب کے متعلق من گھڑت واقعات جابجا نظر آتے ہیں۔

ماضی میں بھی خطباے عظام کی رہنمائی کے لئے نامور اہل علم نے خطبات کے بعض مجموعے ترتیب دیے لیکن عملاً اس نوعیت کی مجموعے یا تو بہت کم ہیں، یا ان میں پیش کردہ استدلال وواقعات بار بار دہرائے جانے کی وجہ سے اب غیر معمولی تاثیر کے حامل نہیں رہے۔ ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ خطباے کرام کے لیے مصادرِ اصلیہ قرآن وسنت اور آثارِ سلف کے مواد پر مبنی ایسا مجموعہ مرتب کیا جائے جس سے استفادہ کرتے ہوئے خطبا حضرات دین کی اصل تعلیمات سے لوگوں کو متعارف کرواسکیں اور رواج پا جانے والی بدعات وخرافات کا خاتمہ کرسکیں۔ یہ سعادت فاضل مصنف کے حصہ میں آئی کہ اُنہوں نے عالم عرب میں میسر اہم علمی کتب ومراجع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک وقیع تازہ علمی مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اس نیک کام پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

حافظ صاحب موصوف نے مدینہ یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ اپنی دینی تعلیم مکمل کی اور بعد میں حدیث کے موضوع پر کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ اس سے قبل بھی کئی اہم موضوعات پر دادِ تحقیق دے چکے ہیں، بالخصوص بعض انتہائی اہم کتب کا انتخاب کرکے ان کے اُردو ترجمے کرنا ان کا خصوصی ذوق رہا ہے۔

آپ کا ترتیب شدہ خطبات کا یہ مجموعہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں پہلی جلد میں سال کے مختلف مہینوں کی مناسبت سے اہم موضوعات پر خطباتِ جمعہ ترتیب دیے گئے ہیں۔ جن میں متعلقہ اسلامی مسائل واحکام یا اس مہینہ میں مروّجہ بدعات پر بھی خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلی جلد کے خطبات کی فہرستِ حسب ذیل ہے:

محرم: ◉ ماہِ محرم اور یوم عاشوراء ◉ فضائل صحابہ ◉ ہجرت مدینہ

ربیع الاوّل: ◉ رسول ﷺ کے فضائل ومعجزات اور خصوصیات ◉ جشن میلاد کی شرعی حیثیت ◉ اُمت پر رسول ﷺ کے حقوق ◉ رسولِ اکرم ﷺ کا اعلیٰ اخلاق

www.KitaboSunnat.com

رجب: ◉ ماہ رجب کی بدعات ◉ اسراء ومعراج ◉ تحفہ معراج

شعبان: ◉ ماہ شعبان کے فضائل واحکام ◉ انفاق فی سبیل اللہ

رمضان: ◉ رمضان المبارک نیکیوں کا موسم بہار ◉ فضائل قرآن مجید ◉ توبہ واستغفار

شوال: ◉ خطبہ عید الفطر

ذی القعدہ: ◉ فضائل حرمین شریفین ◉ احکام وآداب حج

ذوالحجہ: ◉ فضائل عشرہ ذی الحجہ ◉ خطبہ عید الاضحیٰ ◉ خطبہ حجۃ الوداع وغیرہ

اسی طرح دوسری جلد میں ۲۵ مختلف موضوعات ،مثلاً: توحید،شرک، بر الوالدین،صلہ رحمی وغیرہ پر قرآن وسنت اور آثارِ سلف سے مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی، پروفیسر عبدالجبار شاکر، شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد اور حافظ صلاح الدین یوسف حفظہم اللہ کی تقاریظ مرقوم ہیں جبکہ مصنف کی طرف سے مقدمہ اور مولانا محمد صادق مدنی کے قلم سے پیش لفظ درج ہے۔

چونکہ یہ کتاب خصوصی طور پر خطبا حضرات کے لیے تیار کی گئی ہے، لہٰذا مصنف نے ہر موضوع کو ایک مستقل جمعہ کی شکل میں ترتیب دیا ہے اور جمعہ کے دو خطبوں کی مناسبت سے ہر موضوع کے مواد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر حصے کا مواد موضوع سے متعلقہ آیات، احادیث اور آثار واَقوال سے مزین ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ دلائل میں مستند روایات کو پیش کیا جائے، لہٰذا ہر روایت کے ساتھ اس کی صحت کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ فنی محاسن کا بھی اچھا اہتمام کیا گیا ہے، ٹائٹل دیدہ زیب، جلد مضبوط، کاغذ معیاری اور کمپوزنگ بہترین ہے جبکہ پروف ریڈنگ کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

خطبات کی زبان سادہ وسلیس ہے، دلائل برمحل اور اندازِ نگارش شگفتہ اور متین ہے۔ موضوع کے مطابق مواد کی پابندی کی گئی ہے۔ پوری کتاب غیر سنجیدہ باتوں، جذباتی اشعار اور بے سروپا واقعات سے مبرا ہے۔ بالخصوص کتاب کے آغاز میں مولانا عبدالخالق محمد صادق مدنی نے ۳۳ صفحات پر مشتمل ایک رہنما مقدمہ قلم بند کیا ہے جس میں اُنہوں نے ایک خطیب کے مدنظر رہنے والے اساسی اُصولوں کی نشاندہی کر کے اس مجموعہ کی افادیت کو دو چند کر دیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

کتاب کی ورق گردانی سے ایک خطیب کو وہ سب کچھ مل سکتا ہے جو اسے کسی بھی خطبہ میں اپنے سامعین کو مؤثر انداز مین تبلیغ وتعلیم کے لئے درکار ہے، اس قیمتی مواد کو کوئی بھی خطیب اپنے انداز میں ڈھال کر اپنی بات کو عوام الناس کے دلوں میں بخوبی بٹھا سکتا ہے۔ اس کامیاب کاوش پر مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ تقبل الله سعيه وبارك في جهوده

تاہم کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں درج ذیل باتوں کا اہتمام مزید فنی تحسین اور افادیت میں غیر معمولی اضافہ کا موجب ہوسکتا ہے:

① احادیث کی تخریج میں بعض جگہوں پر صرف متفق علیہ یا مسلم، بخاری لکھ دیا گیا ہے،لیکن اس کی ترقیم وغیرہ درج نہیں کی گئی، مناسب ہوگا کہ ہر حدیث کے مکمل حوالہ جات بمعہ ترقیم بھی درج کردیے جائیں۔

② برصغیر کے خطبا و واعظین اکثر احادیث کی ترجمہ شدہ کتب سے استفادہ کرتے ہیں لہٰذا آئندہ ایڈیشن میں کتبِ ستہ کی احادیث کا حوالہ اگر کتاب اور باب کے ساتھ ذکر کر دیا جائے تو خطبا ترقیم کے اختلاف سے بچتے ہوئے مطلوبہ عبارت تک جلد پہنچ سکتے ہیں۔

③ جس طرح احادیث کی صحت پر حکم درج کیے گئے ہیں، اگر آثار واقوال کی صحت کا بھی اہتمام کر دیا جائے تو ان اقوال وآثار کو بھی اعتماد کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے۔

④ کتاب کے آخر میں کتاب میں درج شدہ تمام حوالہ جات کی کتب کو طباعت کے مقام وسال کے ساتھ درج کر دیا جائے تاکہ قاری کو حوالے کا مصدر ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔

غرض خطبات کا یہ مجموعہ دینی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، اور ہر خطیب کو اسے اپنی ذاتی لائبریری میں رکھنا چاہئے۔ یہ مجموعہ پاکستان میں ان مقامات سے مل سکتا ہے:

① جمعية المناهل الخيرية: نزد جامع مسجد اتحاد المسلمین (اہلحدیث)
میر سٹریٹ گل روڈ گوجرانوالہ فون نمبر:055-3733934

② مؤسسة الفرقان الخيرية: مکان نمبر۵۶/اِی، کینال روڈ یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور
فون نمبر:091-5705687

③ جامعة دار الحديث رحمانية: چونگی نمبر۱۴، ملتان

④ رانا طاہر محمود، لاہور فون نمبر:0333-4237720

⑤ جامعة محمدية للبنين والبنات، T ایریا کورنگی نمبر۲، کراچی
مولانا ارشد علی فون نمبر 021-2005291

www.KitaboSunnat.com

LRL No183
Vol. 40 No.8
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

☜ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث**

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۴۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۴۸۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700